دیکھی ہوئی دنیا

جلد اول

سورت سے

شاش (تاشقند)

ترمذ

بخارا

سمرقند

مرغینان

کا دینی علمی سفر

مرتب

مفتی محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی بارڈولی دامت برکاتہم

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات

ناشر

نورانی مکاتب

www.nooranimakatib.com

تفصیلات

نام کتاب:.. دیکھی ہوئی دنیا

افادات:........................مفتی محمود صاحب بارڈولی دامت برکاتہم

کمپوزنگ:......................مفتی محمد اویس کنجری، فاضل جامعہ ڈابھیل

صفحات:..۲۴۸

ناشر:...نورانی مکاتب

ملنے کے پتے

مولانا یوسف صاحب آسنوی، سملک، آسنا۔98240,96267

Email id: yusuf_bhana@hotmail.com

ادارۃ الصدیق ڈابھیل، گجرات۔99048,86188 \ 99133,19190

الامین کتابستان دیوبند، یوپی۔01336,221212

الحاج اسعد الواجدی دیوبند، زم زم بک ڈپو۔Mo.09359229903

جامعہ دارالاحسان، بارڈولی، سورت، گجرات

جامعہ دارالاحسان، نواپور، نندوربار، مہاراشٹر

فہرستِ مضامین

سفر کی کارگزاری

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله رب العٰلمين، والصلٰوة والسلام علٰى سيدنا محمد خاتم النبيين، وعلٰى اٰله وصحبه وعلٰى من تبعهم باحسان الٰى يوم الدين. أما بعد:

مجھے پچھلے کچھ سالوں سے بفضل اللہ تعالیٰ اپنے مشفق ومحسن استاذ اور مرشدِ ثانی شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں ملک وبیرونِ ملک دین کی نسبت سے جانے کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے۔ذلك من فضل الله علينا.

مدرسہ میں جن ایام میں اسباق کا سلسلہ موقوف ہوتا ہے، مثلاً امتحانات کے ایام اور تعطیلات کے ایام اس میں یہ دینی، دعوتی اسفار ہو جاتے ہیں، سالِ گذشتہ شوال کے مہینے میں محترم مفتی عبدالحمید صاحب اور مفتی یوسف ابن مفتی شبیر صاحب اور قاری ذاکر عالی پوری صاحب (مقیم: بلیک برن، برطانیہ) کی دعوت پر برطانیہ کا سفر طے ہوا تھا۔

ایک طویل عرصے سے یہ داعیہ پیدا ہو رہا تھا کہ تاریخی مقامات بخارا، سمرقند، ترمذ وغیرہ دیکھنے چاہیے اور اس بہانے وہاں کے مسلمانوں کو بھی دینی بات پہنچانے کا موقع مل جائے گا۔

ہمارے بیرون کے اسفار کے ٹکٹ، ویزا وغیرہ کی خدمت دمن کے ہمارے محترم حاجی ساجد میمن صاحب انجام دیتے ہیں، انھوں نے یہ بات بتائی کہ ازبکستان

ایئر لائن کے ذریعہ اگر برطانیہ کا سفر کیا جائے تو دوسری ایئر لائن کے مقابلے میں ٹکٹ کے مصارف بھی کچھ کم ہیں اور ہر ایئر لائن اپنے ملک کے کسی بڑے شہر سے ہو کر کے ہی سفر کرتی ہے؛ لہذا برطانیہ جاتے ہوئے تاشقند، بخارا، ترمذ وغیرہ بھی بیچ میں آ ہی جائے گا، ان کی یہ بات بندے کو پسند آئی؛ اس لیے اس چیز کو ملحوظ رکھ کر کے ازبکستان ہوتے ہوئے برطانیہ کے سفر کا نظام بنایا گیا، یہ پورا سفر دینی نسبت پر ہوا تھا۔

برطانیہ میں جا بجا مختلف مجالس میں علما اور عامۃ المسلمین کے مجمع میں تاشقند، ترمذ، بخارا، سمرقند، غجدوان وغیرہ شہروں کے کچھ حالات بیان کیے تھے، پھر جب سفر سے واپسی ہوئی تو بہت سارے علما کا اصرار رہا کہ اس سفر کی کارگزاری کی مکمل مجلس ہونی چاہیے؛ تاکہ پورے عالمِ اسلام کو علم و معرفت کے بیش بہا خزانے جن شہروں سے ملے ان کی تازہ صورتِ حال سے واقفیت ہو۔

چنانچہ جامعہ ڈابھیل کے وسیع ہال میں اس مجلس کا انعقاد کیا گیا، بمبئی سے احمد آباد تک کے نامور علما اور مفتیانِ عظام نے اس مجلس میں شرکت فرمائی اور حضرت دامت برکاتہم کی توجّہات کی برکت سے تقریباً دو گھنٹے سے زائد مفصّل خطاب ہوا، چوں کہ سفر کی بہت ساری باتیں جن کا تعلق حضرت دامت برکاتہم کی ذاتِ عالی سے تھا، اس کو میں حضرت کی حاضری میں بیان کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا؛ کیوں کہ حضرت دامت برکاتہم کا مزاج یہ ہے کہ وہ اپنا تعارف پسند نہیں فرماتے۔

اس سفر کی کارگزاری کے لیے خود حضرت دامت برکاتہم نے بڑا اہتمام فرمایا، ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود شروع سے آخر تک مجلس میں تشریف فرما رہے،

درمیان میں ایک دو جگہ پر دورانِ خطاب حضرت نے کچھ رہبری بھی فرمائی، توجہات اور دعائیں تو مسلسل شاملِ حال رہیں اور آخر میں دس بارہ منٹ کا ایک جامع خطاب بھی حضرت نے فرمایا، اسے بھی اس سفرنامے میں بہ طور نگینہ کے جڑ دیا گیا ہے، باہر سے آنے والے علما کے لیے ایک بڑی مقدار میں کھانا خود حضرت نے تیار کروایا، جب یہ مجلس مکمل ہوئی تو انٹرنیٹ کے ذریعہ سے عالم کے دور دراز ممالک اور بلاد کے علما اور مسلمانوں نے سنا، بے حد پسند کیا گیا اور بہت سوں کی چاہت تھی کہ اس کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

ڈابھیل کی اس مجلس کا شہرہ ہوا تو اور بھی بہت سی جگہوں سے بہ اصرار یہ تقاضے ہوئے کہ کارگذاری کی مجالس ہونی چاہیے، خصوصاً سورت شہر میں محترم ومکرم حاجی اسماعیل جانو اور حاجی اختر میمن صاحب جن کے ذریعہ سے علما کی مجالس سورت شہر میں ہوا کرتی ہیں، اس میں خاص کر اسماعیل بھائی کی طرف سے شدید ترین اصرار ہوا؛ لہذا سورت شہر کی ''چوڑ گھر'' مسجد میں ایک دوسری مجلس کا انعقاد ہوا، ڈابھیل کی مجلس میں جو باتیں عرض نہیں کر سکا تھا، زیادہ تر وہ باتیں سورت کی مجلس میں عرض کی گئی ہے۔

الحمد للہ دونوں مجلس کی C.D بھی سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں نے لیں اور انٹرنیٹ پر بھی ہزاروں لوگوں نے اس سے استفادہ کیا۔

ازبکستان کے اس سفر میں ایک اور نامور عالمِ دین حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب قاسمی کشمیری (زید لطفہ) کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہوا، وہ رسالہ ''النور'' کے بانی اور مدیر بھی ہے؛ لہذا انھوں نے سفر کی کارگزاری مختلف قسطوں میں اپنے رسالہ

''النور'' میں لکھی۔

حضرت اقدس مولانا ذوالفقار صاحب نقشبندی دامت برکاتہم کی اس علاقے کی ایک کارگزاری شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہے۔ حضرت والا کے سفر کے کئی سال گذر چکے ہیں، مرورِ زمانہ کی وجہ سے ازبکستان کی صورتِ حال میں پوری تبدیلی آچکی ہے؛ اس لیے تازہ صورتِ حال کا سامنے لانا ایک اہم کام تھا۔

اس کارگزاری کو مرتب کرنے میں حسبِ ذیل امور کی رعایت کی گئی ہے:

(۱) ڈابھیل اور سورت دونوں جگہ پر جب کارگزاری پر مشتمل بیان ہوا، تب بندے کے ہاتھ میں تحریری نوٹس موجود تھے، یہ نوٹس سفر کے دوران بندے نے تیار کیے تھے۔

(۲) دورانِ سفر شرعی حدود میں رہتے ہوئے محترم بھائی عابد ڈنگمار صاحب نے جدید ذرائع سے مختلف مقامات پر واقعات اور مقامات کو محفوظ کیا تھا۔

ان دونوں چیزوں سے بھرپور استفادہ کر کے یہ سفر نامہ تیار ہوا ہے۔

(۳) حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب دامت برکاتہم کا جو مضمون ''النور'' میں شائع ہوا تھا اس سے بھی کافی استفادہ کیا گیا ہے۔

(۴) حضرت مولانا ذوالفقار صاحب نقشبندی دامت برکاتہم کے سفر نامے سے بھی قدرے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۵) سفر کے انواع، اقسام اور آداب کے سلسلے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''معارف القرآن'' اور مولانا مفتی انعام الحق صاحب کی کتاب

''احکامِ مسافر'' سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اس سفر میں دیکھے ہوئے بعض احوال کا بھی اس کارگزاری میں تذکرہ ہے، اس کا مقصد کسی کی کمزور حالت کی اشاعت ہرگز ہرگز نہیں ہے، کسی مسلمان کے عیب یا برائی کو اچھالنے سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

بلکہ ان حالات اور واقعات کو محض سامعین اور قارئین کی عبرت کے واسطے بیان کیا گیا ہے، ساتھ ہی سامعین اور قارئین اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس علاقے کے مسلمانوں کے لیے اور اپنے لیے اور پورے عالم کے مسلمانوں کے لیے ہدایت اور دین پر استقامت کی دعا کا اہتمام کریں اور جس سے جس طرح جس قدر بن سکے خصوصاً اس علاقے کے مسلمان اور عموماً پورے عالم میں دینی بیداری، اشاعتِ دین اور حفاظتِ دین کی فکر اور کوشش کریں اور امت کو اسبابِ زوال سے بچانے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ ان سطروں کو قبول فرماویں، اپنی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ بنائے، آمین۔

کاش! ازبکستان کے یہ سب علاقے پھر سے علوم ومعرفت کے مراکز بن جائیں۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز.**

ایسے تو اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب وغریب شان رہی ہے کہ احادیثِ پاک کو کتابی شکلوں میں جمع کرنے کا کام زیادہ تر اہلِ عجم سے لیا گیا، اس لیے پوری دنیا کے

مسلمانوں کو بخارا، سمرقند، ترمذ سے علمی، روحانی نسبتیں ہیں۔

لیکن مادرِ علمی جامعہ ڈابھیل کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ جامعہ کے دورِاول میں جب امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جامعہ کی مسندِ علمی کی زینت تھے، اس دور میں بخارا، سمرقند کے علاقے سے بھی تشنگانِ علومِ نبوت یہاں پہنچے؛ گویا کہ جامعہ کا علمی، روحانی فیض الحمدللہ! ان مراکزِ علم ومعرفت بخارا، سمرقند وغیرہ بھی پہنچا ہے۔ **ذلک فضل اللّٰہ یعطیہ من یشاء.**

مجھے اپنی تمام تر علمی کوتاہیوں کا اعتراف ہے، اس سفرنامے میں جو کوتاہی آپ کو نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائے ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر لی جائے گی اور اس نیک کام میں آپ بھی شامل ہوں گے۔

اس سفرنامے کی مکمل تیاری میں عزیز محترم مولانا مفتی اویس ابن فاروق کنجری سلمہ اللہ وعافاہ کی محنتوں کا بہت بڑا حصہ رہا ہے، اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور خدمتِ دین کے لیے قبول فرمائے۔ آمین

فقط والسلام

العبد: محمود بارڈولی

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات

کلماتِ بابرکت

استاذی و مشفقی حضرت مولانا سلیمان صاحب چوکسی دامت برکاتہم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے علم وہدایت کو بارش سے تشبیہ دی ہے:

"مثل مابعثني الله به من الهدى والعلم كمثل الغيث الكثير"

رحلات واسفار اس امت کا - خاص کر علم وہدایت کی نسبت پر - طُرّۂ امتیاز رہا ہے، نبیٔ کریم ﷺ کے رحلات، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسفار اور رحلات المحدثین تو اسلامی تاریخ کا ایک بہت وسیع باب ہے۔

اس لیے حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ داعی کو سورج سے تشبیہ دے کر فرماتے تھے کہ سورج کی تین صفات داعی میں ہو:

(۱) سورج ہمیشہ چلتا ہے۔

(۲) اپنا نور لے کر چلتا ہے۔

(۳) جسے بھی فیض یاب کرتا ہے اس سے اجرت نہیں مانگتا۔

بقول اقبال مرحوم:

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں	ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر نکلے ادھر ڈوبے

موجودہ دور میں اسباب ووسائل کی سہولتوں کے باعث سفر بہت آسان اور آرام دِہ ہوگیا ہے؛ اس لیے دنیا میں لوگ مختلف مقاصد کے تحت سفر کرتے ہیں۔

مگر اللہ تعالیٰ کے کچھ مقبول بندے سورج کی طرح عالم کے افق پر طلوع ہوتے ہیں اور بادل بن کر علم وہدیٰ کی بارش لے کر قریہ قریہ، بستی بستی، بنجر زمینوں میں جا کر برستے ہیں: بقول شخصے:

صبح چلتے ہیں، شام چلتے ہیں	عشق والے مُدام چلتے ہیں
ساتھ چلتی ہے ان کے یوں دنیا	جیسے پیچھے غلام چلتے ہیں

انھیں نفوسِ قدسیہ میں میرے استاذِ محترم اور مشفق مربی: حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری زید مجدہم ہیں۔ گذشتہ سال حضرت نے بخارا، سمرقند وغیرہ علاقوں کا سفر فرمایا۔

اس سفر میں رفیقِ سفر حضرت مولانا ابراہیم پانڈور صاحب دامت برکاتہم اور بقولِ سعدیؒ:

ہم از عہد خوردی آثار بزرگی در ناصیۂ او پیدا

کے مصداق عزیزم مفتی محمود صاحب بارڈولی حفظہ اللہ ورعاہ تھے۔

سفرنامہ افادیت کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے: ''سفر وسیلۂ ظفر'' صحیح معنوں میں اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ مسافر اپنے سفر میں دوسروں کو شریک کرے اور سفر میں دوسروں کو شریک کرنا اسی طرح ممکن ہے کہ تمام تجربات ومشاہدات کو اس طرح بیان کر دیا جائے کہ سفرنامہ پڑھنے والا ذہنی طور پر ان راستوں اور گذرگاہوں پر اپنے کو موجود محسوس کرے جن سے سفرنامے کا مسافر گذرا ہے اور اس کو علمی، اصلاحی، سیاسی، جغرافیائی، تمدّنی احوال سے واقفیت ہو۔

پھر جب کہ سفر کرنے والی شخصیت صاحبِ سلسلہ بھی ہو تو اس سفرنامہ سے ان کے بے شمار مسترشدین اور متعلقین کو اصلاحِ نفس کے ساتھ صحبتِ شیخ کا بدل بھی مل جاتا ہے۔

ایک ایسی ہی شخصیت کا زیرِ نظر سفرنامہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آرہا ہے، جسے عزیزم مفتی محمود بارڈولی زید مجدہم نے مرتّب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ اسے تمام مسترشدین، متعلقین کے لیے بے انتہا مفید فرمائے اور حضرت اقدس مفتی احمد صاحب زیدت مکارمہم کو بایں ہمہ صحت و عافیت تا دیر ہمارے سروں پر باقی رکھے، آمین۔

دعا گو: سلیمان چوکسی

خادم التدریس: دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

سابق استاذ و ناظم تعلیمات:

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک، گجرات

پیش خدمت

الحمدللہ! بندے کا معمول ہے کہ اپنی ہر ایک کتاب کا ثواب اپنے اکابر میں سے باری باری ایک ایک کو ایصال کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ جو سفر نامہ تیار ہوا ہے اس کا پورا ثواب بندے کے استاذِ محترم حضرت مولانا ابراہیم بن محمد کاوی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو ایصال کرتا ہوں۔

مرحوم یکم جون ۱۹۴۸ء میں گجرات کے ضلع بھروچ کے تاریخی گاؤں ''کاوی'' میں پیدا ہوئے اور ۵/صفر ۱۴۳۶ھ مطابق ۹/دسمبر ۲۰۱۴ء صبح ۸/بجے ڈابھیل محمودنگر میں وفات پاگئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

جامعہ ڈابھیل میں تعلیم وتدریس: تعلیم اور ۴۵/سالہ تدریس ملاکر مجموعی ۵۴/ سال ایک ہی جگہ ڈابھیل میں مقیم رہے۔

بندے کو درجۂ فارسی اول میں پورا سال امتحان دینے کی سعادت حاصل ہوئی اور اس کے بعد دوسرے سال مکمل درجۂ عربی اول مرحوم سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

درسی خصوصیات:

(۱) صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں بہت ہی محنت سے پڑھاتے، مشکل باتیں بار بار سمجھاتے، ایک ایک قاعدے کی کئی کئی مثالیں دیتے، بورڈ پر لکھ کر بھی سمجھاتے، دورانِ درس طلبہ سے بھی بلواتے، جس کا ایک اہم فائدہ یہ ہوتا کہ جماعت میں تقریباً ایک ثلث طلبہ کو سبق اسی وقت یاد ہو جاتا۔

(۲) صرف، نحو، منطق کی کئی کئی کتابوں کا مطالعہ کر کے زیرِ درس کتاب کی ترتیب سے سبق کا پورا خلاصہ طلبہ کو کاپی میں لکھواتے، جس میں کئیں کئیں کتابوں کا خلاصہ آجاتا، چنانچہ کتاب الصرف، کتاب النحو، تیسیر المنطق، علم الصیغہ کی کاپیاں طلبہ میں اور مدرسین میں بہت ہی مقبول ہیں۔

(۳) مدرسے کے متعینہ اوقات سے عام طور پر آدھا گھنٹہ پہلے تشریف لاتے اور عام طور پر تمام طلبہ کا سبق پورا پورا سننے کا اہتمام فرماتے۔

(۴) فقہ کی کتابوں میں کبھی کبھی طلبہ کی سمجھ اور جسم کے ساتھ ذہنی حاضری کا امتحان لینے کے لیے بعض مقامات پر کتاب کی عبارت کا ترجمہ ظرافت کے انداز میں فرماتے۔ مثلاً قدوری میں کتاب الاجارہ میں ایک جگہ عبارت ہے:

ومن استاجر رجلا ليضرب له لبنااستحق الاجرة اذا أقامه عندأبى حنيفةؒ.

اس کا ترجمہ یوں فرماتے: ایک آدمی نے کسی شخص کو اجرت پر بلایا؛ تاکہ وہ اس بلانے والے کو اینٹ مارے تو وہ اجرت کا حق دار بن جائے گا، جب کہ وہ اس کو کھڑا کر کے مارے۔

پھر بعد میں صحیح ترجمہ اور مطلب سمجھاتے۔

(۵) سبق میں طلبہ کی تربیت کی غرض سے اکابر اسلاف کے واقعات خوب سناتے، خصوصاً جمعرات کے دن طلبہ کو کچھ نہ کچھ ضرور سناتے، جس کی برکت سے طلبہ میں اپنی اصلاح اور حصولِ علم میں مجاہدہ کا پاکیزہ جذبہ پیدا ہوتا۔

(٦) مولانا سبق میں بہت پابندی سے تشریف لاتے، رخصت تو نادرترین واقعہ ہوتا، عامۃً آپ کی ''رخصتِ اتفاقی'' کا اکثر حصہ باقی رہتا۔

(۷) روزانہ درس کے اختتام پر مجلس کے ختم والی دعا ضرور پڑھتے:

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمدلله رب العٰلمين.

اس سلسلے میں ایک روایت بندے کی نظر سے گزری، الگ الگ تفسیر میں امام بغویؒ کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ قیامت کے روز اسے بھرپور پیمانے سے اجر (بدلہ اور ثواب) ملے اسے چاہیے کہ وہ اپنی ہر مجلس کے اخیر میں یہ دعا پڑھے۔ (تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن: ۷/۴۸۸)

اس دعا کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ علامہ قرطبیؒ نے اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ختم ہونے کے بعد یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (سورۂ صافات: ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن: ۷/۴۸۹)

(۸) فرماتے کہ سبق میں آنے والی کوئی مشکل عبارت یا مسئلہ کے حل کے لیے ہر طرح کی کوشش کے بعد اگر کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آوے تو دو رکعت صلوۃ الحاجہ پڑھ کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ وہ مسئلہ حل فرمادیں گے۔

اس سلسلے میں بندے کو بھی تجربہ ہوا، مثلاً:

''ظہورِ مہدی'' کی تالیف کے زمانے میں ایک حدیث کو ڈھونڈنے کی سخت

ضرورت پیش آئی، کئی جگہوں پر اس کو ابن ماجہ کے حوالے سے دیکھا؛ لیکن ابن ماجہ میں متعدد جگہ پر تلاش کے باوجود وہ روایت نہیں مل سکی، کئی دنوں کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر بندے نے ابن ماجہ ہاتھ میں لی اور بغیر تعیین کتاب کھولی تو اسی صفحے پر وہ روایت ملی اور وہ روایت یہ ہے:

ولا مهدى الا عيسى ابن مريم. (ابن ماجہ:۳۰۴)

(۹) سبق میں طلبہ کو کبھی کبھی ذہنی تازگی کے لیے لطائف بھی سناتے، اس میں سے ایک آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں: ایک صاحب کسی جگہ کسی کی بکریاں چرانے گئے ہوئے تھے، تو چند بکریاں گم ہوگئیں، تو مالک کو اطلاع دینے کے لیے بکری کی مینگنیاں جمع کر کے کسی کے ہاتھ بکری کے مالک کو روانہ کی اور ساتھ میں یہ کہلوایا:

ہمارے ان سے جا کر یہ کہنا جن کے ہم ہیں (یعنی ہمارے سیٹھ صاحب سے) ان کے وہ چلے گئے جن کے یہ ہیں (یعنی بکریاں گم ہوگئیں اور یہ ان کی مینگنیا ہیں)۔

(۱۰) ابتدائی درجات کی تدریس کے لیے آپ اپنے استاذ مولانا آدم صاحب مرحوم کی ایک بات سنایا کرتے تھے کہ شروع کے درجات یہ بنیاد ہے؛ لیکن بہت سے مدرسین کی نظر کتاب کی ترقی پر لگی رہتی ہے، جس کی وجہ سے ابتدائی درجات میں جیسی محنت ہونی چاہیے ویسی نہیں ہوتی۔ اس کا ایک حل یہ ارشاد فرماتے کہ دو تین ذہین طلبہ کو سوم چہارم تک پڑھا کر پھر سے شروع کے درجات میں داخل کیا جائے اور سوم چہارم تک دوبارہ پڑھا کر ان کو ابتدائی درجات کا مدرس بنا دیا جائے تو وہ ترقی کی حرص کے بغیر ابتدائی درجات کو پڑھائے گا اور اس سے طلبہ کی بنیاد مضبوط ہوگی۔

مرحوم اگرچہ دورۂ حدیث تک پڑھے ہوئے مکمل عالمِ دین تھے اور اہلِ مدرسہ کی طرف سے کئی مرتبہ پیش کش بھی ہوئی؛ لیکن پھر بھی پوری زندگی ابتدائی درجات کی کامیاب اور مقبول تدریس میں گزاری۔

(۱۱) اپنے استاذ مولانا آدم صاحب مرحوم کے حوالے سے سناتے تھے کہ ایک مرتبہ کسی جگہ گھوڑا گاڑی میں سوار ہو کر کہیں جانا ہوا، وہ گاڑی والا رضا خانی خیال کا تھا جو ہمارے لوگوں کو بلا وجہ ''وہابی'' کہتے اور سمجھتے ہیں، تو وہ ہمارے ساتھیوں کو طنزاً سنانے کے لیے گھوڑے کو تیز چلاتے وقت کوڑا مارتا اور بولتا:

او! ''وہابڑے'' تیز چل۔

تو اس پر مولانا مرحوم نے ساتھیوں سے کہا: یہ یوں بول رہے ہیں ''وہاں بڑے''، یعنی وہاں جنت میں بڑے۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر مرحوم کو پر رعب چہرہ ولہجہ عطا فرمایا تھا، اس سے طلبہ کو بھی خوب فائدہ ہوا اور خاص کر جامعہ ڈابھیل میں خانقاہِ محمودیہ کے واردین و صادرین کو معمولاتِ خانقاہ کی پابندی کروانے میں اور نظام کے استحکام میں بڑا ہی فائدہ رہا۔ مرحوم خانقاہِ محمودیہ کے فعال، فکر مند منتظم رہے اور حضرت شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی کو ان کی فکروں کی وجہ سے بڑی آسانی رہی۔

(۱۳) ہاتھ کی تسبیح (مذکرہ) بنانے کے بھی بڑے ماہر تھے۔ خانقاہ کے واردین وصادرین کو اپنے ہاتھ کی تیار کی ہوئی تسبیح کے ہدیہ سے محظوظ فرماتے۔

(۱۴) مہمان نوازی بھی بڑی عجیب تھی۔ مرحوم کی پہلی اہلیہ کے انتقال کے

وقت ہم سب طلبہ تعزیت کے لیے کاوی پہنچے تو طلبہ کی چاہت کے مطابق کاوی کی مشہور ''لحماً طریا'' کی انواع واقسام سے ضیافت فرمائی تھی، گھر پر ملاقات کے لیے جانے والا کوئی بھی شخص مخصوص مختصر یا مفصل ضیافت کے بغیر واپس نہیں جا سکتا تھا، دریائی لیوٹے (مچھلی کی ایک قسم) خاص اہتمام سے اہلیہ (خالہ جان) سے پکوا کر سال میں دو چار مرتبہ بندے کے لیے بھیجنے کا بڑا اہتمام فرماتے۔ مرحوم کا اپنے تلامذہ کی چاہتوں کو پورا کرنے کا یہ عجیب اہتمام تھا۔

(۱۵) میرے مرشدِ ثانی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کی زبان سے کسی بزرگ کی بات سنی کہ وہ فرماتے تھے:

ہمارے بڑوں نے ہماری جتنی قدر کی اتنی ہمارے چھوٹوں نے بھی ہماری قدر نہیں کی۔

اس پر میرے مرشدِ اول حضرت اقدس فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اتنا اضافہ فرمایا:

تا کہ چھوٹوں کی ناقدری برداشت کر سکے۔

واقعۃً ہمارے اکابر اساتذہ جتنا ہمارے ساتھ شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے ہیں وہ واقعی بہت ہی بڑی بات ہے اور حقیقت میں ان کا بڑا پن ہے کہ اپنے چھوٹوں پر اس قدر شفقت فرماتے ہیں۔

استاذی حضرت مولانا ابراہیم صاحب کاوی مرحوم کو یہ بھی معلوم تھا کہ مجھے نلی کا کھچڑا بہت پسند ہے، رمضان کے تیسرے عشرہ میں ایک مرتبہ مرحوم نے بڑے اہتمام

سے چند نلیوں والا کھچڑا ایک پلیٹ میں میری طرف آگے بڑھایا، نلیاں چوس کر میں دسترخوان پر رکھ رہا تھا، اطراف میں دوسرے رفقا بھی دسترخوان پر تھے تو استاذِ مرحوم نے ارشاد فرمایا کہ: چوسی ہوئی نلیاں سب اپنے سامنے مت رکھو، ادھر ادھر بھی نلیاں ایک ایک دو دو رکھ دو۔

پھر ارشاد فرمایا: اتنی ساری نلیاں ایک جگہ کوئی دیکھے گا تو وہ کہے گا کہ: اوہو! اتنی ساری نلیاں اس ایک آدمی نے چوسی اس میں نظرِ بد کا خطرہ ہے۔

اللہ اکبر! اس قدر شفقت اور اس میں بھی اتنا باریک احتیاط، اللہ تعالیٰ ہمارے مشفق اساتذہ کو ان کی شفقتوں کا آخرت میں بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔

اساتذہ اور مربی حضرات کو یاد رکھو

(۱) ہمیں اپنے مشفقوں، مربیوں اور محسنوں کو ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا چاہیے۔

(۲) ان کے لیے ایصالِ ثواب اور دعا کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

(۳) اللہ تعالیٰ وسعت دے تو ان کے لیے قربانی بھی کرنا چاہیے۔

(۴) جب موقع ملے تو ان کے لیے نفل طواف اور عمرہ کرنا چاہیے۔

(۵) ان کے لیے صدقۂ جاریہ کا کوئی کام کرنا چاہیے۔

(۶) ان کی علمی، عملی میراث کو خوب آگے بڑھانا چاہیے۔

(۷) جس طرح دین کی یہ امانت پوری دیانت داری اور پوری محنتوں سے انھوں نے ہم تک پہنچائی، ہمیں بھی امت کی موجودہ اور آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا

اہتمام کرنا چاہیے۔

میرے مرشدِ اول حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ ہم طلبہ اور حضرات مدرسین کو خاص طور پر فرمایا کرتے تھے کہ: روزانہ صبح میں کم سے کم تین مرتبہ سورۂ اخلاص اور تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر جو کتابیں ہم پڑھتے پڑھاتے ہیں ان کے مصنفین اور ائمہ کو ایصالِ ثواب کر دینا چاہیے اور ان کے لیے دعائے مغفرت بھی کرنا چاہیے تو ان کی روحانیت ہماری طرف متوجہ ہوگی اور ان کے لکھے ہوئے علوم سے استفادہ کرنا ہمارے لیے آسان ہو جائے گا۔

حضرت مرحوم کے جنازے میں شرکت کے لیے داعی الی اللہ حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب دامت برکاتہم بھی تشریف لائے تھے، جامعہ ڈابھیل کے مطبخ کے پاس جنازے کے انتظار میں تشریف فرماتے تھے، میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو سب سے پہلے مرحوم بھائی مولانا محمد صاحب -جن کو مولانا لاٹ صاحب اپنے بیٹے کی طرح رکھتے تھے اور چوں کہ بھائی کے انتقال کے بعد مولانا کی پہلی ہی ملاقات تھی؛ اس لیے بھائی- کے سلسلے میں کچھ بات چیت کی، اس کے بعد وہاں موجود کچھ رئیس حضرات کو خطاب کر کے حضرت مولانا لاٹ صاحب نے ارشاد فرمایا:

اے ساتھیو! تم کہتے رہتے ہو Investment کرو، دیکھو! اس کو Investment کہتے ہیں کہ مولانا ابراہیم صاحب دنیا سے چلے گئے؛ لیکن شاگردوں کی ایک جماعت تیار کر کے گئے، کوئی شاگرد شیخ الحدیث ہے، کوئی مفتی ہے، کوئی کیا ہے، سب لوگ اپنی اپنی جگہ دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے استاذ کے لیے صدقۂ

جاریہ بنے ہوئے ہیں۔

حضرت الاستاذ مرحوم کی بندے کے متعلق ایک آرزو

استاذی مرحوم شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا واجد حسین صاحب کے انتقال کے بعد جب جلالین شریف کا درس بفضل اللہ تعالیٰ بندے کے متعلق ہوا تو عادت کے مطابق اپنے اساتذہ کی خدمت میں دعا کے لیے حاضری ہوئی، جب حضرت مولانا ابراہیم صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضری ہوئی تو دعائیں دیں اور ارشاد فرمایا کہ:

میری یہ آرزو ہے کہ تم کو جامعہ میں حدیث پڑھاتا ہوا دیکھوں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ استاذ کے وصال کے سال سے ''مؤطا امام مالک'' کا درس بندے کے متعلق ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آں مرحوم کی یہ آرزو بھی پوری فرمائی۔

استاذِ مرحوم کے لیے بہت کچھ لکھنے کا دل چاہتا ہے؛ لیکن انھیں باتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

مؤرخِ جامعہ، مفہرسِ عصر میرے خواجہ تاش مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے اور جن کو میں ''فرید عصرہ، وحید دھرہ'' کہا کرتا ہوں ایسے میرے رفیقِ محترم مفتی فرید کاوی صاحب نے جامعہ علوم القرآن جمبوسر کا ترجمان ''البلاغ'' میں ایک مضمون گجراتی زبان میں لکھا ہے، ان دونوں مضامین میں بھی بہت ساری تفصیلات آپ کو پڑھنے ملے گی۔

بندہ اپنے اس سفر نامے کا انتساب استاذِ مرحوم کی طرف کرتا ہے اور اس کا ثواب مرحوم کی روح کو ایصال کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے، بندے کی عادت ہے

کہ اپنی کتابوں پر عام طور پر اپنے اساتذہ ہی سے دعائیہ کلمات لکھواتا ہے، سالِ گزشتہ رجب کے مہینے میں ''خطباتِ محمودؒ'' کی پانچویں جلد چھپنے جارہی تھی تو استاذ مرحوم سے بندے نے دعائیہ کلمات کے لیے درخواست کی، آں مرحوم نے خوشی سے اس کو منظور فرمایا، جو خطبات کی پانچویں جلد کی زینت ہے، اس وقت کس کو اندازہ تھا کہ بہت جلدی ہم سے رخصت ہونے والے ہے۔ ذلك تقدير العزيز العليم۔

اللهم اغفره وارحمه وادخله الجنة

احادیث ہم تک کس طرح پہنچی؟

احادیث ہم تک کس طرح پہنچی

احادیث نبیٔ کریم ﷺ سے حضرات محدثین تک

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں اپنی زبانِ اقدس سے ارشاد فرمائی، اس کو ہم ''قولی احادیث'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز کر کے دکھائی، اس عمل کو ''حدیث فعلی'' کہتے ہیں۔

اور کوئی کام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا اور آپ نے خاموش رہ کر تائید فرمائی اس کو ہم ''تقریرِ رسول'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ تینوں چیزیں قیامت تک کے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک قیمتی نعمت ہے، یہ سب چیزیں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے سینوں میں محفوظ کی، اپنی زندگیوں میں اس کو عملی طور پر اپنایا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عظیم امانت کو اپنے شاگردوں تک پہنچایا، جن کو ہم حضرات تابعین سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرات تابعین کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے اس خزانے کے ساتھ ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکت سے جو کچھ سیکھا، اس کی روشنی میں صحابہ کے اقوال واعمال کی یہ اضافی دولت بھی نصیب ہوئی، حضرات تابعین نے یہ تمام تر خزانے اپنے تلامذہ --جن کو ہم تبعِ تابعین کے نام سے یاد کرتے ہیں ان-- تک منتقل کیے۔

اورحضرات تابعین یا تبعِ تابعین یاان کے شاگردوں سے یہ عظیم الشان ذخیرہ ائمہٴ حدیث کوملا،ائمہٴ حدیث نے اپنے اپنے انداز سے اس کومرتب اور مدوّن کیا،جو آج امت کے ہاتھوں میں کتبِ احادیث کی شکل میں موجود ہے،جوامتِ مسلمہ کے لیے قیامت تک قرآن مجید کے ساتھ یہ عملی ذخائر رہنمااورآخرت میں نجات کاذریعہ ہے۔

ائمہٴ مجتہدین نے انھیں خزانوں کوسامنے رکھ کرنئے پیش آنے والے مسائل میں اجتہادکرکے امت کی صحیح رہبری کی،بلاشبہ یہ ائمہٴ حدیث پوری امت کے محسنین میں سے ہیں،جنھوں نے احادیث کے ذخیرہ کوبڑی محنت اور مشقت کے ساتھ جمع کر کے انسانوں کے لیے محفوظ کرلیا۔واقعہ یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے انسانوں پران حضرات محدثین کابڑااحسان ہے،اس لیے ہرمؤمن کاان حضرات سے عقیدت ومحبت کارشتہ ہوناچاہیے۔

قرآنِ کریم،احادیثِ مبارکہ،اجماع اورقیاس احکامِ اسلام کی مضبوط اساس اوربنیادہیں اورکسی عمارت کاایک ستون بھی اگرکمزورہوتوعمارت کاوجودخطرے میں پڑ جاتاہے،یہی صورتِ حال آج اسلام جیسے دینِ متین کے ساتھ بھی پیش آرہی ہے، اعدائے اسلام کی جانب سے بتکلف وتصنع اس کی بنیادوں کوکمزوربتلانے کی کوشش اور سعیٴ لاحاصل روزافزوں تیز سے تیزترہوتی جارہی ہے،اسی میں سے ایک ’’احادیثِ رسول ﷺ‘‘ بھی ہے۔

آئے دن یہ سوال اٹھایاجاتاہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احادیث کی کتابت نہیں ہوئی اورنہ صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کوقلمبندکیا؛ بلکہ تدوین

احادیث کا خیال ڈیڑھ صدی بعد پیدا ہوا، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست احادیث سننے والے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا۔

نیز خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کتابتِ حدیث سے سختی سے منع فرمایا تھا، اس ارشاد کی تعمیل میں صحابۂ کرام نے احادیث قلمبند کرنے سے پرہیز کیا تھا، ظاہر سی بات ہے کہ ان حالات میں سینکڑوں سال بعد جب محض حافظہ کی بنیاد پر احادیث کی جو کتابیں عالمِ وجود میں آئیں ان پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ درجِ ذیل سطور میں اسی اعتراض کے ازالے کی سعی کی گئی ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسی بات تو وہی شخص کر سکتا ہے جس نے تاریخ کا مطالعہ ہی نہیں کیا، نیز یہ ایک تاریخی جھوٹ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتابتِ حدیث نہیں ہوئی اور اُس زمانے میں صرف حافظہ کے ذریعہ حفاظت کی گئی: کیوں کہ حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کی نشر و اشاعت کا امر فرمانے کے بعد حضرت ابوشاہ رضی اللہ عنہ کی درخواست پر اس خطبہ کو لکھوا کر عنایت بھی فرمایا۔

امام بخاریؒ نے اس کی تخریج کرتے ہوئے فرمایا:

ألا ليبلغ الشاهدُ الغائبَ فلعلّ من يبلغه أن يكون أوعیٰ له من بعض سمعه. (البخاري: ٢/ ٥٤)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کو مقید کر لو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: مقید کرنے کا کیا

مطلب؟ارشادفرمایا کہ:لکھنا۔(مجمع الزوائد:۱۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث یاد نہ رہنے کی شکایت کی تو فرمایا:اپنے ہاتھ سے مدد لو،یعنی لکھ لیا کرو۔(ایضاً)

عام سی بات ہے کہ جب خود دربارِ رسالت سے احادیث کو محفوظ رکھنے اور یاد نہ رہنے پر ان کی کتابت کی اجازت دی جاتی ہے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسے پروانہ صفت نفوس اس شمعِ نبوت پر کیوں جان فدانہ کردیتے؟

اور ایسا ہی ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حفاظتِ حدیث کے لیے اس دور کے مناسب ہر ممکن طریقہ اختیار فرمایا کہ اجلِّ صحابہ:حضرت ابوبکر صدیق،سعد بن عبادہ،عبداللہ بن عباس،سمرہ بن جندب،جابر بن عبداللہ،ابوہریرہ،انس بن مالک اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زیادہ احادیث لکھا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مرتب کردہ ایک ہزار احادیث پر مشتمل مجموعہ ''صحیفۂ صادقہ'' کہلاتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے ان کی بیان کردہ روایات کو جمع کیا تھا جس میں ایک سواڑتیس(۱۳۸)احادیث درج تھیں جو''صحیفۂ ہمام بن منبہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

تابعین کے زمانے میں عکرمہ مولی ابن عباسؒ،عروہ بن زبیرؒ،رجاء بن حیوہؒ، سلیمان اعمشؒ وغیرہ حضرات اس خدمت میں نمایاں طور پر سرگرم نظر آتے ہیں۔

ابن شہاب زہری نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے امر پر سب سے پہلے احادیث کو کتابی شکل میں جمع فرمایا تھا، ان کے ساتھ ابوبکر بن حزمؒ نے بھی چند احادیث کو جمع کیا تھا۔

اسی زمانے میں امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتاب ''کتاب الآثار'' بھی بہت مشہور ہوئی، جس کو چالیس ہزار احادیث میں سے منتخب کر کے املا کروایا تھا اور بیس (۲۰) سے زائد شاگردوں نے مختلف اوقات میں ان سے سن کر ترتیب دی تھی، اس کے دو نسخے بروایت امام محمدؒ (م:۱۸۹) اور بروایت امام ابو یوسفؒ (م:۱۸۲) ''کتاب الآثار'' آج بھی شائع ہے، اسی طرح امام صاحب کی دوسری کتاب ''مسندِ امام اعظم'' بہت مشہور ہوئی، جس کو تقریباً سترہ (۱۷) شاگردوں نے اپنی ترتیب سے امت کے سامنے پیش کیا۔

امام محمدؒ- جو امام صاحب کے مایۂ ناز شاگرد ہیں انھوں- نے ''کتاب الآثار'' کی روایت کے ساتھ ساتھ دوسری کتابیں بھی مرتب کیں، جس میں ''مؤطا امام محمدؒ'' بہت مقبول ہے، جو انھوں نے امام مالکؒ سے سن کر ترتیب دی ہے۔ اسی طرح ان کی تیسری کتاب ''الحجة على أهل المدينة'' بھی فقہ الحدیث کی بنیادی کتب میں شامل ہے۔

۲۲۱ھ تک کا زمانہ تبع تابعین کا دور کہلاتا ہے، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ بھی اسی دور میں گزرے ہیں، اس دور میں ان کے علاوہ ابن جریج (م:۱۵۰) امام اوزاعیؒ (م:۱۵٦) مؤطا ابن ابی ذئب (م:۱۵۸) مصنف شعبہ بن حجاج (م:۱٦۰) جامع سفیان

ثوری(م:۱۶۱)جامع سفیان ابن عیینہ(م:۱۹۸)مصنف لیث بن سعد (م:۱۷۵) مؤطا امام مالک(م:۱۸۲)عبد اللہ بن مبارک کی کتاب ''الزھد''(م:۱۸۱)مسند طیالسی(م:۲۰۴)مسند امام شافعی(م:۲۰۴)مسند دارمی(م:۲۰۵)جامع عبد الرزاق (م:۱۱۲)اورمسندحمیدی(م:۲۱۹)جیسی عظیم الشان کتبِ احادیث مرتب ہوئیں۔

بعد میں آنے والے محدثین اور فقہائے کرام تک صحیح احادیث پہنچنے کا ذریعہ انھیں حضرات کی یہ بلند و بالا کاوشیں بنی ہیں،اسی طرح بعد کے دور کی تمام تصانیف ان کتابوں کی نقل یا عکس بھی کہی جاسکتی ہیں۔صحیح بخاری،صحیح مسلم،صحیح ابن خزیمہ،صحیح ابی عوانہ،صحیح المنتقی ابن السکن،صحیح ابن حبان،ابوداؤد،ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ کتبِ احادیث آج بھی علمی حلقوں میں بڑی معتبر اور مستند ہیں،جو مذکورہ بالا کتب ہی سے ماخوذ ہیں۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ زمانۂ نبوی،دورِ صحابہ وتابعین حتی کہ ائمۂ ستہ کے دور تک مسلسل کتابتِ احادیث کا کام جاری رہا اور کوئی ایسا معتد بہ خلا نہیں پایا گیا جو ذخیرۂ احادیث سے رفعِ اعتماد کا ذریعہ بن سکے۔

(ملخص،کتابتِ حدیث،ماہنامہ الفاروق جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ)

آدابِ سفر

ادب کے فوائد

انسانی زندگی میں ادب وتہذیب وہ جوہر ہے کہ اس سے اخلاق روشن اور کردار مزین ہوتے ہیں، شب وروز کے اعمال میں حسن وجمال اور معاشرتی مزاج میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے۔

مثل مشہور ہے:

''باادب بانصیب، بےادب بے نصیب''

ادب سے کام کرنے والا اچھا نصیب پاتا ہے اور بےادب اچھے نصیب سے محروم رہتا ہے۔

اسلام کی جامعیت

اسی بنا پر حیاتِ انسانی کا کوئی ایسا گوشہ اور موڑ نہیں کہ شریعتِ اسلامی نے ادب وتہذیب کے ذریعہ رہنمائی نہ کی ہو اور انسانی زندگی کے ہر دو احوال: سفر وحضر کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو آدابِ اسلامی کی تعلیم سے خالی ہو، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور عمل مبارک سے ہر شعبے میں اپنی امت کی بے مثال رہبری فرمائی:

زندگی کا کوئی شعبہ ہو، سفر ہو کہ حضر	گوشۂ زندگی ہو یا معرکۂ فکرونظر
راحت والم کا عالم ہو کہ ہنگامۂ خطر	عرصۂ جنگ ہو کہ بارگہہ علم وہنر
رہنمائی کی جہاں جب بھی ضرورت ہوگی	رہنما صرف محمد ﷺ کی شریعت ہوگی

سفر کے آداب

یہاں ہم زندگی کے صرف ایک شعبے یعنی سفر کے آداب ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:

مسافر آغازِ سفر سے پہلے اُن حقوق کی ادائیگی سے سبکدوش ہوجائے جن کا تعلق اہل وعیال کے نان ونفقہ سے ہو یا کسی کی امانت اور قرض سے ہو۔ان ذمّے داریوں کا انتظام بخوبی کرے جن کی مسئولیت اس کے سر ہے اور حلال و پاکیزہ توشے کو اپنے ہمراہ لے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بقول انسانی شرف کی علامت یہ ہے:

(۱) اس کا زادِ سفر حلال و پاکیزہ ہو:

اصحابِ کہف کا حال جو خود باری تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

فَابْعَثُوْا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَداً. (الکھف: ۱۹)

ترجمہ: اب اپنے میں سے کسی ایک ساتھی کو یہ چاندی کا سکہ لے کر شہر بھیجو، وہ جا کر دیکھے (تحقیق کرے) کہ کون سا کھانا عمدہ (یعنی حلال و پاکیزہ) ہے، پھر اس میں سے کچھ کھانا تمھارے لیے (وہاں سے) لے آئے اور یہ کام ہوشیاری سے کرے اور کسی کو تمھاری خبر نہ ہونے دے۔

یہ حضرات خود ضروری اخراجات کا نظم کر کے گئے تھے۔

سفر دینی ہو یا دنیوی خود ہی اخراجات کا نظم کر کے نکلنا بہتر ہے، بعض حضرات

بغیر زادوتوشہ کے حج کے لیے آجایا کرتے تھے، پھرآ کرخود بھی پریشان ہوتے اورسوال کرکے دوسروں کوبھی پریشان کرتے تھے،اس پر باری تعالیٰ نے ان کوآئندہ زادِ راہ ساتھ لانے کاحکم دیا:

وَتَزَوَّدُوا۔(البقرۃ:۱۹۷)

ترجمہ:اورتم (حج کےسفرمیں)ضروری چیزیں ساتھ میں لےلو۔

(۲)دورانِ سفراندازِ گفتگوشیریں ہو:

دیکھو! حضرت موسیٰ اورحضرت ہارون علیہماالسلام دعوتی سفرمیں تشریف لے جارہے ہیں تو خود باری تعالیٰ نے نرم وشیریں کلام کاحکم فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى .(طه:٤٤)

ترجمہ: پھراس سےنرم بات کہو،شاید وہ نصیحت حاصل کریں یاڈریں۔

(۳)رفقائے سفرمیں باہم حسنِ سلوک اورحسبِ وسعت خوردونوش میں ایک دوسرے کی شرکت ہو۔

(۴)رفقا کی ہرممکن معاونت اچھے مسافرکی علامت ہے۔

(۵)سفرمیں احباب کےساتھ تفریح اورخوش طبعی کی کچھ جھلکیاں ہوں،جن سے ذہنی کلفت اورجسمانی تھکاوٹ نیز وطن سے دوری کا احساس نہ آجائے؛لیکن ایسی تفریح نہیں کہ متانت وسنجیدگی کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے،بدگوئی کے تکلیف دِہ کانٹوں سےقلوب کبیدہ اوررنجیدہ ہوجائیں۔

آج کل سفرمیں رفقا آپس میں بےحیائی وبےشرمی کی باتوں ہی کوسفرکی خوشی

اور اپنی خوش مزاجی سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے۔ دورانِ سفر بھی ہر بات اور ہر کام میں شریعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اس کا خاص لحاظ کیا جائے۔

صدقہ کے برکات

سفر میں نکلنے سے پہلے اور سفر کے دوران صدقے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقے کی برکت سے بلائیں دور ہوتی ہیں؛ اس لیے صدقہ کرتے رہیں؛ تاکہ بلا اور مصیبت سے اللہ تعالیٰ حفاظت میں رکھے۔

الحمدللہ! کئی سالوں سے ملک اور بیرونِ ملک حضرت دامت برکاتہم کی معیت میں دینی اسفار کی سعادت حاصل ہے، جس روز سفر شروع ہوتا ہے اس دن سے واپس جب وطن پہنچ جائے وہاں تک روزانہ پورے اہتمام سے حضرت دامت برکاتہم کو اور بندے کو عافیت اور سلامتی حاصل ہو، حوادثات اور بلاؤں سے حفاظت ہو، اس نیت سے میرے گھر اہلیہ مالی صدقے کی سعادت حاصل کرتی رہتی ہے۔

رفیقِ سفر

رفیقِ سفر کا انتخاب سفر کا ایک اہم کام ہے، ایسے شخص کے ساتھ سفر کرے جو تقویٰ وطہارت سے آراستہ، اچھے افکار وخیالات کا حامل اور ذکر وفکر، طاعت وعبادات میں معاون ہو، مشفقِ اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ احتیاط تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا:

لَوْ يَعْلَمُ النَّاسَ مَافِي الْوَاحِدَةِ مَاأَعْلَمُ مَا سَارَرَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَه. (البخاري: ١/٤٢١)

ترجمہ: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تنہا سفر کرنے میں کیا نقصان ہے تو کوئی تنہا سفر نہ کرے۔

امیرِ سفر کا انتخاب

جب چند احباب ہوں تو کسی کو امیر منتخب کر لینا چاہیے؛ تا کہ راہِ سفر کی تعیین میں سہولت ہو، اگر کسی امر میں مشورے مختلف ہوں تو امیر کوئی قابلِ اطمینان حل تلاش کر سکے اور ہمراہیوں کے رشتۂ اتحاد کو ٹوٹنے سے بچا سکے؛ لہٰذا امیر بھی ایسا ہو کہ جو دور اندیش، حالات و مکان سے واقف، نرم مزاج اور ایثار پسند ہو اور احباب کے مناسب مشورے کو قبول کرنے کا حوصلہ اپنے اندر رکھتا ہو۔

حدیثِ نبوی میں رفقائے سفر کے بارے میں مذکور ہے کہ:

"خَيْرُ الْأَصْحَابِ أَرْبَعَةٌ"

سفر میں چار ساتھی ہوں تو بہتر ہے۔

اس چار ہم سفر کو بہتر کہنے کی حکمت یہ ہے کہ: راہِ سفر میں دو کام بہت اہم ہوا کرتے ہیں:

(۱) سامان کی حفاظت۔

(۲) کھانے اور پینے کی اور ضروری سامان کی خرید۔

اگر رفقا تین ہوں گے تو دو سامان کی حفاظت میں ہوں گے اور ایک خرید نے جائے گا تو اس کو تنہا جانے پر اجنبیت و وحشت محسوس ہوگی اور اگر چار ہوں گے تو دو دو ایک ایک کام کی انجام دِہی کر لیں گے۔

سفر میں امیر اور اس کی اطاعت

جیسا کہ اوپر کی سطروں سے معلوم ہوا کہ سفر میں ایک امیر کا انتخاب کر لینا چاہیے اور امیر بہر حال امیر ہوتا ہے، جس کو امیر منتخب کر لیا جائے اس کی اطاعت کرنی چاہیے، ہاں! اگر امیر شریعت کے خلاف بات کرے تو پھر اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔

ہمارے حضرت دامت برکاتہم کا عمل اس سلسلے میں عجیب وغریب ہے، سفر میں جس کو بھی امیر منتخب کر لیا تو پھر مشوروں میں اس کے فیصلوں پر عمل فرماتے ہیں اور امیر سے ہی فیصلہ کرواتے ہیں اور کتنا ہی اہم موقع کیوں نہ آئے، جو واقعۃً امیر ہے اسی کو امیر بتلاتے ہیں، اس کتاب میں آپ آگے چل کر پڑھیں گے کہ جب ہم خرتنگ میں حضرت امام بخاریؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تو وہاں کی مسجد کے امام صاحب کی جب ملاقات ہوئی اور انھوں نے اپنے دفتر میں ہم کو بلوایا تو ان امام صاحب کا سب سے پہلا سوال تھا کہ:

آپ کے اس قافلے کے امیر کون ہے؟

اور ظاہر بات ہے کہ کمالاتِ علمیہ وعملیہ، روحانیت ونورانیت اور پر کشش وبارونق چہرے کی وجہ سے خود سائل کا ذہن بھی امارت کے سلسلہ میں بے اختیار حضرت دامت برکاتہم ہی کی طرف جا رہا تھا۔

لیکن حضرت مدظلہ العالی نے سفر کے انتظامی معاملات کے پیشِ نظر پورے قافلے میں سب سے کم عمر، کم علم کو جو امیر بنایا تھا، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ ہمارے سفر کے امیر ہے اور امام صاحب امیرِ سفر کو جس امتیازی کرسی پر بٹھانا چاہتے

تھے،اس کی طرف بھی اس مقرر کیے ہوئے امیر کو آگے بڑھایا،اگرچہ بعد میں اصرار کرنے پر حضرت مدظلہ العالی نے کرسی کو زینت بخشی؛لیکن اس میں ہمارے لیے ایک بڑی نصیحت ہے کہ جس کو بھی امیر طے کرلیا جائے اس کو دل وجان سے امیر سمجھا جائے اوراس کا اظہار بھی ہواوراس میں حضرت مدظلہ العالی کا شریعت پر عمل کرنے کا جذبہ،خرد نوازی جیسے اوصافِ حمیدہ کا ظہور بھی ہوتا ہے۔

دورانِ سفر احتیاط

سفراور حضر کی حالت میں احتیاط کا دامن نہ چھوڑنا چاہیے،دن میں قافلے سے جدانہ ہواور نہ رات میں غفلت کی نیند سوئے۔اسی بنا پر مستحب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے رفقا جاگتے رہیں اوراگر خوف وہراس اوروحشت محسوس ہوتو:

(۱)آیۃ الکرسی.

(۲)شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰئِكَةُ وَ اُوْلُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ، لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم.(اٰل عمران:۱۸)

(۳)سورۂ اخلاص۔

(۴)اورمعوذتین پڑھ کردم کرلے۔

ضروریاتِ سفر

سفر میں جتنا سامان کم ہو بہتر ہے،تاہم ضروری اشیا ضرور ساتھ رکھیں،ورنہ دِقت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں خاص طور پر پانچ چیزیں رکھتے تھے:

(۱) مسواک۔

(۲) سرمہ دانی۔

(۳) کنگھی۔

(۴) قینچی۔

(۵) آئینہ۔

بعض بزرگوں کے متعلق سنا ہے کہ وہ سفر میں روانہ ہونے سے دو چار دن پہلے سے ہی ضروریات کی تیاری شروع کر دیتے، کسی چارپائی یا کسی کونے میں سفر کی ضروری چیزیں الگ رکھنا شروع کر دیتے۔

اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنی سفر کی ضروریات کی ایک فہرست بنا کر رکھ لی جائے؛ تاکہ ہر سفر کے موقع پر ضروری سامان ساتھ لے جانے میں سہولت رہے، خاص کر جہاں سفر میں جانا ہے وہاں کے موسم کے لحاظ سے ضروری کپڑے، اپنی ضروری دوائیں وغیرہ ساتھ لیوے۔

میرے حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی جہاں جانا ہو وہاں کا موسم وغیرہ ضرور معلوم کرواتے ہیں؛ تاکہ اس کے مطابق تیاری میں آسانی رہے۔

پاسپورٹ کی تین کاپی رکھیں اور ہر ایک کو الگ الگ بیگ میں رکھیں؛ تاکہ بوقتِ ضرورت زیراکس کاپی کام آئے۔

میزبان کا پتہ اور فون نمبر ضرور ساتھ رکھیں۔

سفر میں نماز کے اوقات کا اہتمام

سفر میں نماز کے اوقات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے؛ اس لیے مناسب ہے کہ ''العصر یا الفجر'' کمپنی کی بنی ہوئی ہاتھ کی گھڑی ضرور رکھیں، ایسے بھی ایک مسلمان گھڑی کو ضرورت کی وجہ سے پہنتا ہے اور یہ گھڑی عام اوقات بتلانے کے ساتھ نماز کے اوقات بھی بتلاتی ہے، اس لیے اس کے فوائد بڑھ جاتے ہیں۔

ویسے ہوائی جہاز وغیرہ میں نماز کے اوقات کا اندازہ، سورج کی رفتار، صبح صادق کی روشنی وغیرہ سے بھی لگا سکتے ہیں؛ لیکن وقت کے اندازے کا ایک آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ ہوائی جہاز میں سامنے لگے ہوئے اسکرین پر ہوائی جہاز کے پورے رُوٹ (route) کا نقشہ بھی ہوتا ہے اور ہوائی جہاز کہاں سے گذر رہا ہے، وہ بھی بتایا جاتا ہے اور عام طور پر وہ صحیح ہوتا ہے؛ اس لیے جس ملک کے جس شہر سے جہاز گذر رہا ہے، وہ آپ ''العصر'' گھڑی میں نکالیں اور اس شہر کا نماز کا وقت گھڑی میں دیکھ لیجیے اور اس کو سامنے رکھ کر چند منٹوں کا احتیاط کر کے نماز ادا کر سکتے ہیں۔

اور جہاز کے رُوٹ سے جانبِ مکہ کا اندازہ بھی آسانی سے لگایا جا سکتا ہے اور ساتھ میں ہوائی جہاز میں خدمت کرنے والوں سے آپ پوچھیں گے تو وہ پائلٹ کو پوچھ کر مکہ کی جانب کی رہبری کرتے ہیں۔

سعودی ایئر لائن میں ایک خاص بات

عام طور پر سعودی عرب کے ہوائی جہاز میں پیچھے والے حصے میں ایک چھوٹی سی

جگہ نماز کے لیے خاص ہوتی ہے، وہاں قبلہ نما بھی ہوتا ہے اور نماز کے لیے قالین بھی ہوتی ہے۔

اپنے سفر کے سامان میں قبلہ نما بھی ساتھ رکھنا چاہیے اور العصر گھڑی میں بھی قبلہ نما ہوتا ہے اور ہمیشہ سفر کے ہاتھ والے بیگ میں سفر کے لیے بنایا جانے والا خاص جائے نماز (مصلّی) بھی رکھنا چاہیے۔

سفر میں سامان کی مقدار

سفر میں ہوائی جہاز اور ٹرین میں ہر فرد کی ٹکٹ کے ساتھ جتنا سامان لے جانے کی اجازت ہوتی ہے، اس مقدار کی بھی خصوصی رعایت کرنی چاہیے، اجازت سے زیادہ مقدار سامان لے جانے میں کئی طرح کی تکالیف سامنے آسکتی ہیں۔

ایک مرتبہ حج سے واپسی میں جدہ ایئرپورٹ پر حجاجِ کرام کے پاس کثیر مقدار میں سامان تھا، جو ہر ٹکٹ سے دو تین گنا زیادہ تھا، جس کی وجہ سے بڑی رکاوٹ پیش آئی اور خطرہ یہ ہوگیا کہ ہوائی جہاز شاید چھوٹ جاوے، جب ہر طرح کی کوشش ناکام رہی، تو اس حج گروپ کے ایک ذمے دار صاحب نے بندے کو مکلّف کیا کہ میں جا کر آفیسر سے عربی میں بات کر کے کچھ درخواست کروں، جب بندہ نے جا کر ایک بڑے آفیسر سے بات کی تو اس آفیسر صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ اپنے حاجیوں کے پاس جا کر یہ سوال کرو کہ وہ حج کرنے آئے تھے یا خریداری کرنے آئے تھے؟

اس لیے اپنے ٹکٹ کے ساتھ دیکھ لینا چاہیے کہ کتنی مقدار مال کی اجازت ہے، اس کی رعایت کی جائے۔ ہمارے حضرت دامت برکاتہم کا معمول یہ ہے کہ عام طور پر سفر

میں صرف ضروری چیزوں کے علاوہ زیادہ سامان نہیں رکھتے، جس کی وجہ سے کئی مرتبہ یہ ہوا کہ ٹکٹ کے ساتھ جتنی مقدار اجازت ہوتی ہے، اس سے بہت کم مجموعی سامان ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تقوی

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ کسی سواری کا کرایہ کرتے تو مالک کو چیزیں دکھایا کرتے تھے، اگر بعد میں کوئی خط بھی لاتا تو فرماتے کہ بھائی میں نے سارا اسباب مالک کو دکھا دیا ہے اور یہ اس میں سے نہیں؛ لہذا تم مالک سے اجازت لے لو۔ (آپ بیتی: ۲/۱۶۰)

سامان کے متعلق ایک خاص ہدایت

آج کل بہت ساری چیزیں ایسی ہوگئی ہیں جو ہوائی جہاز میں لے جانا ممنوع ہے؛ لہذا اس کی معلومات پہلے سے حاصل کرلیں اور اس طرح کی چیزیں ہرگز سفر میں ساتھ نہ رکھیں اور خاص کر کے ہاتھ والے بیگ میں ناخون کاٹنے کا آلہ، قینچی، دھاردار چیزیں ہرگز نہ لیں؛ ورنہ وہ ضائع کردی جاتی ہیں اور سیال چیزیں مثلاً عطر وغیرہ بھی ۲۰۰ ملی لیٹر سے کم کی اجازت ہوتی ہے، اس کو بھی پلاسٹیک کی بیگ میں پیک کروانا ہوتا ہے، اس سے زائد سیّال چیز ہاتھ میں نہ لیں۔

نیوزی لینڈ کے ایک دینی سفر سے واپسی میں ہوائی اڈے پر ایک مخلص نے وہاں کے مشہور شہد ''مانوکا'' ۴۰۰ گرام کی ایک بوتل مجھے اور حضرت دامت برکاتہم کو ہدیہ میں پیش کی، بہت ہی اصرار سے انھوں نے یہ چیز پیش کی اور یہ شہد بہت ہی اعلی قسم

اور قیمتی تھا۔ایک بوتل وہاں کے تقریباً ۱۰۰ر ڈالر کی ہوتی ہے،ہم نے اس کو دستی بیگ میں رکھ لیا اور آپس کے مذاکرے میں یہ سوچا تھا کہ اس میں سے ایک بوتل بمبئی میں ہمارے مخلص محبّ العلماء حافظ آصف صاحب رینکوٹ والے کو پیش کریں گے اور دوسری بوتل ہمارے اسفار کے ویزا ٹکٹ کی کوشش کرنے والے دمن کے ہمارے مخلص حاجی ساجد میمن صاحب کو پیش کر دیں گے؛لیکن جب جانچ ہوئی تو یہ دو شہد کی بوتل ہاتھ والے بیگ میں لے جانا ممنوع قرار دیا گیا اور چوں کہ یہ کارروائی ہوائی جہاز میں بیٹھنے کے قریب ہوتی ہے اس لیے باہر آ کر واپس کسی کو دینا بھی ممکن نہیں ہوتا۔

بندے نے ایک عقلی حجت بازی سے کام چلانے کی کوشش کی، میں نے ان سے کہا کہ: ایک مسافر کو ۲۰۰ر گرام سیال چیز کی اجازت ہے؛ اس لیے ہم دو کو ملا کر ۴۰۰ر گرام کی اجازت ہو جاتی ہے،لہذا ہم دو کے استحقاق کے مطابق ایک بوتل کی اجازت تو ہونی ہی چاہیے۔

تو اس پر جانچ کرنے والے افسر نے کہا کہ: ہر ایک کے لیے انفرادی طور پر ۲۰۰ر گرام سیال چیز کی اجازت ہے،اس طرح مجموعی طور پر جوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔اب افسر اس کو ضائع کرنے جا رہا تھا۔

اتنی قیمتی چیز ضائع ہو جائے،اس سے بچنے کے لیے میں نے ان سے ہنستے ہوئے کہا کہ: یہ دونوں بوتلیں میں آپ کو ہدیہ میں دیتا ہوں،آپ اس کو گھر لے جا کر استعمال کریں۔

تو اس وقت اس نے اپنے فرائضِ منصبی کا حق بجا لاتے ہوئے کہا: میں اس

وقت اس طرح آپ سے یہ چیزیں ہدیہ میں وصول نہیں کر سکتا، مجھے معلوم ہے کہ یہ ہمارے ملک کا مشہور اور قیمتی شہد ہے؛ لیکن ''قانون قانون ہے'' یہ کہہ کر اس نے ان دونوں بوتلوں کو کچرے کے ڈبے کے حوالے کر دیا۔

دوسروں کا سامان لے جانے کے بارے میں ایک خاص ہدایت

بعض مرتبہ سفر میں جاتے ہوئے بعض رشتے داروں اور دوستوں کی طرف سے کسی کو پہنچانے کے لیے کوئی سامان دیا جاتا ہے، تو اس سلسلے میں یہ بات خاص یاد رکھنی چاہیے کہ اولاً تو ایسی بیگاری والی خدمت سے معذرت ہی اچھی ہے اور اگر لے جانا ضروری ہے تو اس سامان کو کھول کر اچھی طرح دیکھ لینا چاہیے، بعض مرتبہ شرعاً اور قانوناً ممنوع چیزیں کپڑے وغیرہ کے بیچ رکھ کر کے لوگ دے دیتے ہیں اور جانچ ہونے پر لے جانے والا ہی بے چارہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں کے ایک صاحب اس طرح کے ایک معاملے میں پھنس کر کے کئی سال جیل میں گذار چکے ہیں اور بڑا جرمانہ ادا کرنا پڑا وہ علیحدہ۔

نیوزی لینڈ کے اسی سفر میں جاتے وقت وہاں کے ہمارے میزبان مولانا امتیاز صاحب خیر گانوی کے گھر سے ان کے بچوں کے لیے کچھ کپڑے اور کھلونے آئے ہوئے تھے، بمبئی ایئرپورٹ پر جب جانچ ہوئی تو اس سامان کی چیکنگ میں خطرے والی گھنٹی بار بار بجتی رہی، ہم ڈر رہے تھے کہ یہ گھنٹی کیوں بج رہی ہے، کافی دیر جستجو و تلاش کے بعد پتہ چلا کہ سامان میں کوئی کھلونا ہے، جس میں بیٹری (پاور) لگی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے یہ گھنٹی بج رہی تھی، بہت تلاش کے بعد وہ کھلونا ملا، اس میں سے بیٹری الگ کی، تب جا کر کاروائی آگے بڑھی، اس میں کافی دیر تک ذہنی الجھن رہی اور کافی وقت

ضائع ہوا۔

اس سے یہ بات سیکھنے کو ملی کہ کھلونا یا مونچھ کی صفائی کی مشین یا ٹارچ وغیرہ ہو تو اس میں سے بیٹری (پاوَر) کو الگ کر کے رکھنا چاہیے۔

میز بانوں کے لیے بہترین تحفہ

میرے حضرت دامت برکاتہم میری درخواست پر میز بانوں کے لیے کتابیں ساتھ لے جانے کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں۔خاص کر حضرت دامت برکاتہم کی -محمود الفتاوی، حدیث کے اصلاحی مضامین، نکاح کے مسائل اور ان کا حل جیسی- مفید کتابیں وہاں کے مدارس اور علما کے لیے ایک بہترین تحفہ ہوتا ہے اور عمدہ قسم کا عطر وہ بھی ایک قیمتی تحفہ ہے؛ لیکن اس کو ہاتھ والے بیگ میں نہ لے جائیں۔

سفر میں خفین (چمڑے کے موزے) کا اہتمام

دورانِ سفر نماز کے مواقع بھی پیش آتے ہیں اور ہر جگہ وضو کرنے کی سہولت میسر نہیں ہوتی، خاص کر ہوائی جہاز میں پیروں کو دھونا مشکل ترین کام ہے؛ اس لیے سفر شروع کرنے سے پہلے مکمل وضو کر کے خفین پہن لیے جائیں، اس کی وجہ سے دورانِ سفر وضو کرنے میں بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔

لیکن خفین میں ایک بات خاص ذہن میں رہے کہ لوہے یا کسی دھات کی چین یا بٹن اس میں استعمال نہ ہوئے ہو، چوں کہ جب ہوائی اڈے پر جسم کی جانچ کے لیے جو آلہ استعمال ہوتا ہے تو اس طرح کی دھات والی چیزوں کی وجہ سے الارام بجتی ہے اور

بہت سی مرتبہ موزے نکلوا دئے جاتے ہیں؛ اس لیے دھات کے علاوہ کی چین یا بٹن یا کسی اور شکل سے موزہ چپک سکتا ہو اس طرح کے خفین استعمال کیے جائیں۔

نیز ہوائی جہاز میں جب وضو کریں تو وہاں کم سے کم پانی استعمال کرنے کا اہتمام کریں، چوں کہ چہرہ اور ہاتھ ہی دھونے ہیں، سر اور خفین پر مسح ہی کرنا ہے، تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ احتیاط سے پانی استعمال کریں گے تو ایک گلاس سے بھی کم میں وضو ہو سکتا ہے۔

اور ہوائی جہاز میں ہاتھ دھونے کی جگہ بہت چھوٹی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے پانی کے چھینٹے نیچے گرتے ہیں، دوسرے مسافروں کو تکلیف ہوتی ہے، اس لیے وضو سے فارغ ہو کر ٹشو پیپر فرش پر ڈال کر پانی سکھا لینا چاہیے۔

نیت

سفر میں روانگی کے وقت نیت بھی بہت اہم چیز ہے، نیت کی درستگی سے سفر عبادت بن جاتا ہے، دین کی اشاعت وحفاظت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دین کی دعوت، حصولِ علم، اشاعتِ علم، احیائے سنت، اقربا اور سب رشتے داروں کی ملاقات، اللہ تعالی کے واسطے محبت کرنے والوں کی ملاقات وغیرہ۔

میرے حضرت فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر زندہ ہو جائے، جا بجا ذکر کی مجالس قائم ہونے لگیں، یہ بھی میرے سفر کے مقاصد میں سے ہیں۔

مسافر کے دلی جذبات پر اللہ تعالیٰ کی نصرت کے فیصلے

میرے برادرِ مرحوم مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو نظام الدین دہلی - بنگلے

والی مسجد جس کو ''عالمی مرکزِ تبلیغ'' کہا جاتا ہے، وہاں مدرسہ کاشف العلوم ہے، اس - میں درجۂ عربی اول سے دورۂ حدیث تک پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، گجرات کے وہ سب سے پہلے عالم ہیں جن کو نظام الدین سے تکمیلِ دورۂ حدیث شریف کی سعادت حاصل ہوئی اور ان کو نظام الدین کے ماضی قریب کے تمام ہی اکابر کی بہت قریب سے خدمت اور ان سے سفر وحضر میں استفادہ کی سعادت حاصل رہی، انھوں نے مجھے سنایا تھا کہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ''ہوائی جہاز، ٹرین یا کوئی سواری کسی بستی میں پہنچ رہی ہو اس وقت مسافر کے دل میں جو جذبات، جو ارادے، جو نیتیں ہوتی ہیں اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کے یہاں فیصلے ہوا کرتے ہیں''۔

اس لیے ہم اپنے دینی سفروں میں دین کے متعلق بلند عزم وارادے کے ساتھ چلیں، اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد انشاء اللہ شاملِ حال ہوگی۔

رات کا سفر

راستے پر امن اور حالات سازگار ہوں تو صرف دن میں سفر پر قناعت نہ کرنا چاہیے؛ بلکہ حسبِ سہولت رات میں کچھ سفر کرنا چاہیے؛ کیوں کہ رات کے سنّاٹے میں طویل سفر بہ آسانی طے ہو جاتا ہے اور مسافر کو زیادہ احساس بھی نہیں ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ رات کے وقت ضرور چلا کرو، کیونکہ رات کے وقت زمین لپیٹ دی جاتی ہے۔

(ابوداؤد شریف)

سواری کے مالک کا حق

جب کوئی اپنی سواری میں آگے بٹھانے لگے تو اولاً اس کو بتادیا جائے کہ آگے بیٹھنے کا حق آپ کو ہے، پھر بھی اگر وہ درخواست کرے تو قبول کرتے ہوئے آگے بیٹھ جائیں۔

آدابِ سفر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی مقام پر قیام کریں تو احباب ایک ساتھ مجتمع ہوکر راستے سے ہٹ کر قیام کریں، زیادہ جگہ نہ گھیریں اور درمیانِ سفر کسی منزل پر پہنچیں اور قیام کا ارادہ ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کریں، اس میں یہ بھی خاص دھیان رہے کہ اپنی اپنی گاڑیوں کو بھی مناسب جگہ رکھیں، جو جگہیں خاص گاڑیوں کے لیے بنائی جاتی ہیں، وہی رکھیں۔ نامناسب جگہ گاڑی رکھ کر دوسروں کے لیے تکلیف کا ذریعہ نہ بنیں۔

روانگی سے پہلے نفل کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں:

مَا خَلَفَ عَبْدٌ عَلٰی أَهْلِهٖ أَفْضَلَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ يَرْكَعُهُمَا عِنْدَهُمْ يُرِيْدُ سَفَرًا. (کنز العمال علی المسند ۳۸/۳)

یعنی بوقتِ سفر گھر والوں کے پاس جو دو رکعت پڑھتا ہے، وہ ان کے لیے چھوڑی ہوئی چیزوں میں سب سے افضل ہے۔

اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ روانگی سے قبل دو رکعت نفل کا اہتمام ہو جائے۔

سواری کے وقت دعا پڑھنے کی حکمت

ابولاوس خزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ رسول اللہ ﷺ نے ہماری سواری کے لیے ہمیں عطا فرمایا کہ ہم اس پر سوار ہوکر حج کو جائیں۔ ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم نہیں دیکھتے کہ آپ ہمیں اس پر سوار کرائیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ہر اونٹ کی کوہان میں شیطان ہوتا ہے، تم جب اس پر سوار ہوتو جس طرح میں تمھیں حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو، پھر اسے اپنے لیے خادم بنالو۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی سوار کراتا ہے۔ (مسندِ احمد)

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ہر اونٹ کی پیٹھ شیطان ہے، تو تم جب اس پر سواری کروتو اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو، پھر اپنی حاجتوں میں کمی نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ گلدستۂ تفاسیر ۶/۳۷۵)

سفر کی دعائیں

مسافر جب سفر میں روانہ ہوتا ہے تو اس کا وہ سفر کتنی ہی امید وتمنا اور امنگوں کا کیوں نہ ہو، اس کے قلب و دماغ میں خوشی اور رنج کے ملے جلے جذبات و احساسات کی عجیب کیفیت ہوتی ہے، اہلِ خانہ سے مفارقت، ان کی خیر و عافیت کی فکر، سفر کی پریشانیوں کا تصور، احباب واقربا سے جدائی، پھر راحت وسکون کے ساتھ واپسی کا خیال، غرض نہ معلوم کتنے افکار وخیالات کے ہجوم میں وہ روانہ ہوتا ہے؛ مگر افکار واحساس کے اس ہجوم میں جو چیزیں ہمیشہ تو شۂ طمانینت بنتی ہیں وہ دعائیں ہیں، جن میں مسافر کی

ضروریات کے ہر ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے، ان میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

گھر سے روانگی کے وقت

سفر کی ابتدا میں رشتے دار، دوست واحباب اور متعلقین سے ہنستے چہرے کے ساتھ معافی تلافی کر کے رخصت ہو اور یہ دعا پڑھے:

أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ. (کنزالعمال:۳۶/۳)

ترجمہ: میں تمھارے دین وامانت اور انجامِ عمل کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔

سرورِ کونین ﷺ جب کسی کو رخصت کرتے تو اسے یہ دعا دیتے

زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ کا توشہ عطا فرمائے، تیرے گناہ معاف فرمائے، جہاں بھی تو جائے خیر کی طرف تیری رہنمائی کرے۔

روانگی کے وقت مکان کے دروازے پر پڑھنے کی دعا

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ رَبِّ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْأَزِلَّ أَوْأُزَلَّ أَوْأَظْلِمَ أَوْأُظْلَمَ أَوْأَجْهَلَ أَوْيُجْهَلَ عَلَيَّ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کر کے ان کا نام لے کر نکل رہا ہوں، گناہوں سے بچنے کی قدرت اور اطاعت کی طاقت اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ خود گمراہ ہوؤں یا گمراہ کیا جاؤں، پھسلوں یا پھسلایا جاؤں، ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، جہالت کروں یا مجھ پر جہالت

کی جائے۔

سواری پر سوار ہونے کی دعا

(۱) ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور بغوی نے لکھا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اپنا قدم رِکاب میں رکھا تو فوراً ’’بسم اللّٰہ‘‘ کہا، پھر ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے تو ’’الحمد للّٰہ‘‘ کہا، پھر فرمایا: سُبۡحَانَ الَّذِيۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ وَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ. (الزخرف: ١٤)

پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہماری خدمت میں لگا دیا، جب کہ ہم میں اس کی طاقت نہ تھی اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اس کے بعد تین مرتبہ ’’اللّٰہ أکبر‘‘ کہا، پھر کہا ’’لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنۡتَ ظَلَمۡتُ نَفۡسِيۡ فَاغۡفِرۡلِيۡ فَاِنَّهٗ لَا يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا أَنۡتَ‘‘ اس کے بعد مسکرا دیے۔

عرض کیا گیا: امیر المؤمنین! آپ کس وجہ سے مسکرائے؟

فرمایا: بندہ جب ’’لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنۡتَ ظَلَمۡتُ نَفۡسِيۡ فَاغۡفِرۡلِيۡ فَاِنَّهٗ لَا يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا هُوَ‘‘ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس فعل کو پسند کرتا ہے (أو کما قال)۔

اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مسکرائے۔ (تفسیر مظہری)

(۲) بِسۡمِ اللّٰهِ وَاعۡتَصَمۡتُ بِاللّٰهِ وَتَوَكَّلۡتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكۡبَرُ.

ترجمہ: اللہ کے نام سے سفر شروع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا سہارا لیتا ہوں اور اس پر بھروسہ کرتا ہوں، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑے ہیں۔

(٣)اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِیْ السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِیْ الاَھْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ.

ترجمہ:اے اللہ! آپ ہی میرے سفر کے ساتھی ہیں اور آپ ہی میری غیر موجودگی میں گھر والوں، میری اولاد اور میرے مال کے محافظ بن جایئے۔

(٤)اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعَثَاءِ السَّفَرِ، وَكَابَةِ الْمَنْظَرِ، وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِیْ الْاَھْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ.

ترجمہ:اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں سفر کی پریشانی سے اور ایسے منظر سے جو غم انگیز ہو اور اس بات سے کہ جب میں اپنے گھر والوں، اولاد اور مال کے پاس آؤں تو بری حالت میں آؤں۔

(٥)اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِیْ ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَاتَرْضٰی.

ترجمہ:اے اللہ! میں آپ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقوی کی توفیق مانگتا ہوں اور ایسے عمل کی جس سے آپ راضی ہوں۔

(٦)اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا ھٰذَا السَّفَرِ وَاطْوِعَنَّا بُعْدَهٗ.

ترجمہ:اے اللہ! ہمارے لیے سفر کو آسان بنا دیجیے اور اس کی مسافت کو ہمارے لیے لپیٹ دیجیے۔

سفر میں پانچ چھوٹی سورتوں کی برکات

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم

یہ چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقا سے زیادہ خوش حال بامراد ہو اور تمھارا سامان زیادہ ہو جائے؟

انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بیشک میں ایسا چاہتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: آخرِ قرآن کی پانچ سورتیں (سورۂ کافرون، سورۂ نصر، سورۂ اخلاص، سورۂ ناس، سورۂ فلق) پڑھا کرو اور ہر سورت کو بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ ہی پر ختم کرو (اس طرح مجموعی دس مرتبہ یا چھ مرتبہ بسم اللہ ہوگی)۔

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس وقت میرا حال یہ تھا کہ سفر میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے بالمقابل قلیل الزاد، خستہ حال ہوتا تھا، جب سے رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کیا، میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا۔ (تفسیرِ مظہری بحوالہ معارف القرآن: ۸۳۲/۸)

مصیبت کے وقت سورۂ قریش پڑھنے کا فائدۂ عظیمہ

ابوالحسن قزوینیؒ نے فرمایا ہے کہ: جس شخص کو کسی دشمن یا اور کسی مصیبت کا خوف ہو اس کے لیے "لایلف قریش" کا پڑھنا امان ہے۔

اس کو امام جزریؒ نقل کر کے فرماتے ہیں کہ: یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیرِ مظہری میں اس کو نقل کر کے فرمایا کہ: مجھے میرے شیخ حضرت مرزا جان جاناںؒ نے خوف وخطر کے وقت اس سورت کے پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ: ہر بلا ومصیبت کے دفع کرنے کے لیے اس کی قرأت مجرب ہے، حضرت قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ: میں نے بھی بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔ (معارف القرآن: ۸۲۴/۸)

میرے حضرت کا معمول مبارک ہے کہ مسنون دعاؤں کے ساتھ گیارہ مرتبہ سورۂ قریش خود بھی اور رفقائے سفر میں سے ہر ایک سے پڑھوانے کا اہتمام فرماتے ہیں۔

کشتی میں سوار ہونے کے بعد کی دعا

حضرت خولہ بنت حکیمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کشتی میں سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھے تو ڈوبنے سے محفوظ رہے گی:

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَااِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ.(هود:٤١)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کشتی کا چلنا بھی ہے اور اس کا ٹھہرنا بھی ہے، یقیناً میرے رب بہت زیادہ معاف کرنے والے، سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

وَمَا قَدَرُاللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ. (سورۂ زمر، آیت: ٦٧، منتخب کنز العمال علی المسند: ٣٧/٣)

ترجمہ: اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا؛ حالاں کہ پوری کی پوری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے کے سارے آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک ہے اور بہت بالا و برتر ہے اس شرک سے جس کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں۔

بلندی پر چڑھتے اور پستی میں اترتے وقت یہ پڑھے

درمیانِ سفر میں جب بلندی پر چڑھے تو تین بار ''اللہ أکبر'' کہے اور جب

اترنے لگے تو تین بار ''سبحان الله'' کہے۔

کسی بستی میں داخل ہونے کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرِ اَهْلِهَا وَخَيْرِ مَافِيْهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ اَهْلِهَا وَمِنْ شَرِّ مَا فِيْهَا.

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے اس بستی کی، اس کے رہنے والوں اور اس میں موجود چیزوں کی بھلائی چاہتا ہوں اور بستی اور رہنے والوں اور اس میں موجود چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

کسی آبادی میں پہنچے تو یہ دعا پڑھیں

جب ہم دین کی نسبت پر سفر کریں تو دعاؤں کا خوب اہتمام ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس جانے کو دینی اعتبار سے خیر و برکت کا ذریعہ بنائے اور ہمارے جانے کو اللہ تعالیٰ اشاعتِ دین و حفاظتِ دین، احیائے سنت کا ذریعہ بنائے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذریعہ بنائے، اپنے ذکر کے زندہ ہونے کا ذریعہ بنائے اور ذکر کی مجالس کے قیام کا ذریعہ بنائے۔

میرے حضرت کا عام معمول یہی رہا ہے کہ روانگی سے کئی دن پہلے دعا کا اہتمام کرتے ہیں اور متعلقین سے بھی خوب دعاؤں کا اہتمام کرواتے ہیں اور سفر خالصۃً لوجہ اللہ ہو اور فتنوں سے حفاظت ہو، اس کے لیے بھی خصوصی دعاؤں کا اہتمام فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں: اس کا خیال رکھنا کہ ہمارا سفر خالص دینی، تبلیغی، دعوتی ہو اور جا بجا اللہ تعالیٰ

کے ذکر کی مجالس قائم ہو۔

الحمدللہ! اس کا خوب مشاہدہ ہوا کہ ملک اور بیرونِ ملک جہاں کہیں بھی جانا ہوتا ہے تو ہر جگہ صبحِ صادق سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے ذکرِ جہری کی مجلس ہوتی ہے اور علما اور عوام کی ایک بہت بڑی جماعت پورے شوق اور رغبت کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے، اکثر حضرات کو تہجد پڑھنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے، پھر ذکرِ جہری کی مجلس اور اجتماعی دعا ہوتی ہے۔

حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ: حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا معمول اسی طرح تھا کہ وہ صبح صادق سے پہلے ذکرِ جہری سے فارغ ہو جاتے تھے۔

اس طرح کی مجالسوں کے بڑے برکات اور ثمرات ہیں اور اس کی برکت سے فتنوں سے بڑی حفاظت ہوتی ہے، خصوصاً دینی کاموں میں مشغول رہنے والے حضرات کے لیے تلاوت، ذکر، تسبیحات کی پابندی، ان کے دینی کاموں میں تقویت کا ذریعہ ہے۔

حضرت دامت برکاتہم خصوصیت کے ساتھ مدارس میں ایسی مجالس قائم کرتے ہیں اور اس کا اہتمام کرواتے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ سفر شروع کرنے سے پہلے نیت درست کر لینی چاہیے۔ ہمارے حضرت دامت برکاتہم کا برطانیہ کا پہلا سفر حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ کے ساتھ ہوا تھا، پھر ایک لمبے عرصے تک برطانیہ کے اسفار نہیں ہوئے، احباب کی طرف سے بار بار اصرار بھی ہوتا رہتا تھا، ایک موقع پر ارشاد فرمایا: جب تک دل میں ایک پاؤنڈ کا بھی خیال محسوس ہوگا، برطانیہ نہیں جاؤں گا۔

الحمدللہ! اس کے بعد خوب اسفار ہوئے اور حضرت خود اپنے لیے رفقائے سفر کے لیے دعاؤں کا خصوصی اہتمام بھی فرماتے ہیں اور بار بار نصیحت بھی فرماتے رہتے ہیں کہ اس طرح کے اسفار میں مال اور جاہ کی محبت ذرہ برابر بھی شامل نہیں ہونی چاہیے۔

سفر کس وقت کرنا چاہیے؟

صبح کا وقت بہت ہی بابرکت ہوتا ہے، کسی کام کے شروع کرنے کے لیے وہ نہایت مناسب وقت ہے؛ اس لیے حتی الامکان صبح سویرے سفر کی ابتدا کرنی چاہیے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا نقل فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُكُوْرِهَا. (مشکوۃ:۲/ ۳۳۹)

ترجمہ: اے اللہ! میری امت کے لیے صبح سویرے چلنے میں برکت عطا فرما۔

حضرت صخرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اس دعا کے بعد میں اپنا سامانِ تجارت دن کے ابتدائی حصے میں بیچنے لگا تو اس دعا کی برکت سے پہلے کے مقابلے میں غیر معمولی برکت ہونی لگی۔

سفر کس دن کرنا چاہیے؟

امام الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر جمعرات کو سفر فرمایا کرتے تھے۔ نیز پیر کے روز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر پسند فرمایا ہے؛ لہذا کوئی مجبوری نہ ہو تو ان ایام میں سفر کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ان ایام میں سفر کرنا مستحب ہے۔ (ابوداؤد)

نوٹ: باقی ٹکٹ کا نظام جس طرح ہو جاوے سفر شروع کر دیں۔

جمعہ کے دن سفر کرنا

جمعہ کے دن اگر سفر ہو تو زوال سے پہلے نکلنے میں کوئی حرج نہیں، اگر چہ ایسی جگہ جانا ہو جہاں جمعہ نہ ہوتا ہو، البتہ زوال کے بعد جمعہ سے پہلے سفر میں جانا مکروہِ تحریمی ہے؛ کیوں کہ اقامت کی حالت میں جمعہ میں شرکت واجب ہے۔

عَنِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ اِنَّ الْجُمُعَةَ لَا تَمْنَعُهٗ مِنَ السَّفَرِ مَالَمْ يَحْضُرْ وَقْتُهَا.

(كنز العمال على هامش المسند: ١/ ٤٠)

ترجمہ: جمعہ کا دن سفر کے لیے مانع نہیں ہوتا جب تک کہ جمعہ کا وقت نہ آجائے۔

سفر میں ذکر کی فضیلت

سفر میں فکرِ راحت و آرام اور مشقت و پریشانی کے ہجوم میں مسافر کے قلب و دماغ پر کبھی کبھی اضطرابی کیفیت طاری ہوتی ہے، اس کا بہترین علاج زبانِ رسالت ﷺ نے تجویز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو۔

چنانچہ وارد ہے کہ دورانِ سفر مسافر کی زبان جب ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوتی ہے تو ایک فرشتہ اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور وہ ہر وقت قلبی، ذہنی راحت و سکون کا سامان فراہم کرتا ہے اور ذکر کی حلاوت و چاشنی زبان و قلب کو تر و تازہ کیے رہتی ہے اور اگر لغو شعر و شاعری اور گانے سننے میں مشغول رہے، تو ایک شیطان اس کا رفیقِ سفر بن کر رنج والم کے اسباب پیدا کرتا ہے:

مَـامِـنْ رَاكِبٍ يَخْلُوْ فِيْ سَيْرِهٖ بِاللّٰهِ وَذِكْرِهٖ اِلَّا رَدِفَهٗ بِمَلَكٍ وَلَا يَخْلُوْ بِشَعْرِهٖ وَنَحْوِهٖ اِلَّا رَدِفَهٗ بِشَيْطَانٌ. (منتخب كنز العمال على المسند: ۳۸/۳)

ترجمہ: جو مسافر درمیانِ سفر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں رہتا تو ایک فرشتہ اس کا ردیف وہم سفر ہو جاتا ہے اور جو مسافر شعر گوئی میں مشغول ہوتا ہے تو کوئی شیطان اس کا رفیقِ سفر بن جاتا ہے۔

درمیانِ قیام کی دعا

سفر کے درمیان مسافر جب کہیں قیام کرے، تو خواہ کیسا ہی جنت نما ہوٹل یا سرائے ہو، اسے وہ سکون وراحت کہاں میسر جو وطنِ مالوف میں حاصل ہوا کرتی ہے، کبھی غیر مانوس جگہ کی وحشت، تو کبھی کوئی خطرہ، ایسے غیر مطمئن حالات میں جو چیز قلب ودماغ کو اطمینان واعتماد کی فضا مہیا کرتی ہے وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی مبارک دعا ہے جو بوقتِ قیام پڑھی جاتی ہے، اس دعا کی برکت سے جس بستی میں پہنچیں گے وہاں کی کوئی چیز نقصان نہیں دے گی، وہ دعا یہ ہے:

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّـاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. (كنز العمال: ۳۷/۳)

ہر تکلیف سے امان پانے کی دعا

قبیلۂ اسلم کے ایک آدمی نے حضور ﷺ سے کہا کہ آج کی رات مجھے نیند نہیں آئی۔

آپ ﷺ نے پوچھا: کس وجہ سے؟

انھوں نے کہا کہ: مجھے بچھو نے ڈس لیا تھا۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر شام کو تم نے یہ دعا پڑھ لی ہوتی تو (ان شاء اللہ عز وجل) کوئی چیز تمھیں تکلیف نہ پہنچاتی:

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. (مسلم: ۲/۳۴۷)

نوٹ: ترمذی شریف کی ایک روایت میں آیا ہے کہ شام کے وقت تین مرتبہ اس دعا کو پڑھنے سے اس رات میں بخار، زہر وغیرہ کوئی چیز نقصان نہیں دے گی۔

(ترمذی: ۲/۲۰۰)

مسافر کی دعا

یوں تو بارگاہِ الٰہی میں بندوں کی فریاد کی قبولیت کا عام اعلان ہے؛ مگر کچھ افراد ایسے بھی ہیں جن کی فریاد و پکار خاص اہمیت رکھتی ہے اور قبولیت کا انھیں خصوصی درجہ حاصل ہے، ان میں ایک اولاد کے حق میں والدین کی دعا، دوسرے مظلوم کی فریاد اور تیسرے مسافر کی دعا۔ (ترمذی شریف: ۹/۲)

اس لیے مسافر جب تک وطن نہ پہنچ جائے اسے قربِ خاص حاصل رہتا ہے، لہذا ان سے دعا کرنے کی درخواست کرنی چاہیے؛ لیکن مسافر کی یہ حیثیت مطلقاً نہیں؛ بلکہ یہ اس وقت ہے جب کہ وہ حلال رزق پر قناعت کرتا ہو اور رزقِ حرام سے بچتا ہو۔

صاحبِ جمع الفوائد نے ایک روایت نقل کی ہے:

کہ مسافر درمیانِ سفر ''یارب، یارب'' کی رٹ لگاتا ہے، جب کہ اس کا لباس، کھانا پینا اور زادِ راہ مالِ حرام سے ہوتا ہے تو دعا کیسے قبول ہوگی؟

دورانِ سفر حضر کے معمولات پر بھی ثواب

جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ شب وروز کی زندگی میں کسی نیک عمل کا پابند ہوتا ہے اور حتی الامکان پابندی کا جذبہ بھی اس کے قلب میں ہوتا ہے؛ مگر جب وہ راہِ سفر اختیار کرتا ہے تو نظامِ زندگی درہم برہم ہونے سے پابندی چھوٹ جاتی ہے اور اس پر عمل نہیں کر پاتا، پھر بھی فضلِ الٰہی اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب تک وہ سفر میں ہوتا ہے اس کے نامۂ اعمال میں ان تمام اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے جس کی اس نے حضر میں پابندی کر رکھی تھی، اسی طرح تندرستی اور جوانی میں جن اعمال کی پابندی کی، بیماری اور بڑھاپے میں عمل نہ کر سکنے کے باوجود ان تمام اعمال کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم: ان العبد اذا كان على طريقة حسنة من العبادة ثم مرض قيل للملك المؤكل به اكتب له مثل عمله اذا كان طليقا. قلت: وكذا ورد في المسافر والشيخ الكبير. (مرقاة: ٢٧٠/٧)

ساتھیوں کی خدمت کا ثواب

سفر میں اکثر الجھن وپریشانی کا سامنا رہتا ہے، ہر شخص سہولت وآرام طلبی چاہتا ہے، ایسے حالات میں اپنی راحت قربان کر دینا اور ساتھیوں کی راحت کی فکر اور ان کی خدمت کرنا، ایثار وہمدردی اور اعلیٰ اخلاق کی بات ہے۔

حدیثِ نبوی میں ہے کہ: رفقائے سفر کا امیر درحقیقت وہ ہم سفر ہے جو اپنے

احباب کی خدمت کرتا ہے اور جس نے سفر میں خدمت میں پیش قدمی کی تو فضیلت وثواب میں اس سے دوسرا کوئی سبقت نہیں لے جا سکتا، ہاں! سوائے اس مردِ مجاہد کے جس نے شہادت کا جام نوش کیا ہو۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

سید القوم فی السفر خادمهم فمن سبقهم بخدمته لم يسبقوه بعمل الا الشهادة. (کنز العمال: ۳/ ۳۸)

سفر میں قوم کا واقعی سرداران میں کا خدمت کرنے والا ہے، جس نے ان کی خدمت میں سبقت کی تو سوائے شہادت کے اور کسی بھی عمل کے ذریعہ اس سے کوئی سبقت نہیں کر سکتا۔

درمیانِ سفر شرافت کے تین کام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے: کہ شرافت وانسانیت کے چھ کام ہیں: تین حضر کے اور تین سفر کے۔

حضر کے تین کام یہ ہیں:

(۱) قرآن کریم کی تلاوت۔

(۲) مسجدوں کو آباد کرنا۔

(۳) ایسے دوستوں کی جمعیت بنانا جو دین کے کاموں میں مدد کریں۔

اور سفر کے تین کام یہ ہیں:

(۱) اپنا توشہ غریب پر خرچ کرنا۔

(۲) حسنِ اخلاق سے پیش آنا۔

(۳) رفقائے سفر کے ساتھ مہذب خوش طبعی کا طرزِ عمل رکھنا۔ (معارف القرآن:

۱/۲۴۳)

منزل پر صحیح وسلامت پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر

جب ہم کسی شہر یا آبادی میں صحیح سلامت پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے سفر کے تمام مراحل کو آسان فرمادیا اور صحیح سلامت وطن یا منزلِ مقصود تک پہنچادیا، اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے سے سنا کہ جب صحیح وسلامت پہنچ جاوے تو یہ پڑھنا چاہیے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مَعَ السَّلاَمَةِ وَالْعَافِيَةِ.

ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے احکام واقسام

دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف جانا

جب دارالکفر میں اپنی جان ومال اور عزت آبرو کا اطمینان نہ ہو، یا دینی فرائض کی ادائیگی ممکن نہ ہو۔

عہدِ رسالت میں یہ سفر فرض تھا اور قیامت تک بشرطِ استطاعت وقدرت فرض ہے۔ اس کے باوجود دارالحرب میں مقیم رہا تو گناہ گار ہوگا۔

دارالبدعت سے نکل جانا

ابن قاسمؒ کہتے ہیں کہ: میں نے امام مالکؒ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان کے لیے اس مقام میں قیام کرنا حلال نہیں جس میں سلفِ صالحین پر سب وشتم کیا جاتا ہو۔

ابن عربیؒ یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ: یہ بالکل صحیح ہے؛ کیوں کہ اگر تم کسی منکر کا ازالہ نہیں کر سکتے تو تم پر لازم ہے کہ خود وہاں سے زائل یعنی علاحدہ ہو جاؤ، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذَا رَأَيۡتَ الَّـذِيۡنَ يَخُوۡضُوۡنَ فِىۡ اٰيٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِي حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖ. (الانعام:٦٨)

ترجمہ: اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں نقطہ چینی کرنے میں لگے ہیں تو آپ ایسے لوگوں سے (اس وقت تک) الگ ہو جاؤ جب تک کہ وہ دوسری کسی بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔

جس جگہ پر حرام کا غلبہ ہو وہاں سے نکل جانا

کیوں کہ طلبِ حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔

جسمانی اذیتوں سے بچنے کے لیے سفر

یہ سفر جائز اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے کہ انسان جس جگہ دشمنوں سے جسمانی اذیت کا خطرہ محسوس کرے وہاں سے نکل جائے؛ تاکہ اس خطرے سے نجات ہو۔

یہ سفر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا، جب قوم کی ایذاؤں سے نجات حاصل کرنے کے لیے عراق سے ملکِ شام کی طرف روانہ ہوئے تو فرمایا:

وَقَالَ اِنِّي مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ. (العنکبوت: ۲۶)

ترجمہ: اور انھوں نے (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کہ: میں ہجرت کر کے میرے رب کی (بتائی ہوئی جگہ کی) طرف جا رہا ہوں۔

ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ایسا ہی سفر مصر سے مدین کی طرف کیا:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ. (القصص: ۲۱)

ترجمہ: سو وہ (موسیٰ علیہ السلام) اس (شہر) سے ڈرتے ڈرتے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے نکلے۔

آب و ہوا کی خرابی اور امراض کے خطرے سے بچنے کے لیے سفر

شریعتِ اسلامی نے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ آدمی تبدیلیٔ آب و ہوا یا امراض سے بچنے کے لیے معتدل آب و ہوا کی حامل جگہ کی طرف سفر کریں، جیسا کہ

رسول اللہ ﷺ نے چند چرواہوں کو مدینہ سے باہر جنگل میں قیام کرنے کا حکم ارشاد فرمایا: کیوں کہ شہری آب وہوا ان کو موافق نہ تھی۔

اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا تھا کہ دارالخلافت ''اُردن'' سے منتقل کر کے کسی سطحِ مرتفع پر لے جائیں، جہاں آب وہوا خراب نہ ہو۔

لیکن یہ اس وقت ہے جب کسی مقام پر طاعون یا وبائی امراض پھیلے ہوئے نہ ہوں اور جس جگہ کوئی وبا پھیل جائے اس کے لیے حکم یہ ہے کہ جو لوگ اس جگہ پہلے سے موجود ہیں وہ تو وہاں سے نہ بھاگیں اور جو باہر ہیں وہ اس کے اندر نہ جائیں، جیسا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو سفرِ شام کے وقت پیش آیا، کہ سرحدِ شام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملکِ شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے، تو آپ کو اس ملک میں داخل ہونے میں تردد پیش آیا، صحابۂ کرامؓ سے مسلسل مشوروں کے بعد آخر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا مِنْهَا وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَلَسْتُمْ بِهَا فَلَا تَهْبِطُوْا عَلَيْهَا. (رواه الترمذي)

ترجمہ: جب کسی علاقے میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اب وہاں سے نہ نکلو اور جہاں تم پہلے سے موجود نہیں وہاں طاعون پھیلنے کی خبر سنو تو اس میں داخل نہ ہوؤ۔

اس وقت حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حکمِ حدیث کی تعمیل کرتے ہوئے پورے

قافلے کو لے کر واپسی کا اعلان کر دیا۔

بعض علمانے فرمایا کہ: حدیث شریف کے اس حکم میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس جگہ مقیم ہیں جہاں کوئی وبا پھیل چکی ہے، وہاں کے لوگوں میں وبائی جراثیم کا موجود ہونا ظنِ غالب ہے، وہ اگر وہاں سے بھاگیں گے تو جس میں یہ مادۂ وبائی سرایت کر چکا ہے وہ تو بچے گا نہیں اور جہاں یہ جائے گا وہاں کے لوگ بھی اس سے متأثر ہو کر بچ نہیں پائیں گے؛ اس لیے یہ حکیمانہ فیصلہ ہے۔

اپنے مال کی حفاظت کے لیے سفر کرنا

اگر کوئی شخص کسی مقام میں چوروں، ڈاکوؤں کا خطرہ محسوس کرے تو وہاں سے منتقل ہو جائے، شریعتِ اسلامی نے اس کی بھی اجازت دی ہے؛ کیوں کہ مسلمان کے مال کا بھی ایسا ہی احترام ہے جیسا کہ اس کی جان کا ہے۔

یہ چھ قسمیں تو اُس ترکِ وطن کی ہیں جو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کے لیے کیا گیا ہو۔

اور جو سفر کسی چیز کی طلب وجستجو کے لیے کیا جائے اس کی نو قسمیں ہیں:

(۱) سفرِ عبرت

یعنی دنیا کی سیاحت وسفر اس غرض سے کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور قدرتِ کاملہ کا اور اقوامِ سابقہ کا مشاہدہ کر کے عبرت حاصل کریں۔ قرآنِ کریم نے ایسے سفر کی ترغیب دی ہے:

اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ.

(الروم: ۹)

ترجمہ: کیا وہ (کافر لوگ) زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ ان سے پہلے جو (کافر لوگ) تھے اس کا انجام کیسا ہوا اس کو دیکھتے؟

حضرت ذوالقرنین کے سفر کو بھی بعض عُلما نے اسی قسم کا سفر قرار دیا ہے اور بعض نے فرمایا کہ: ان کا سفر زمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کرنے کے لیے تھا۔

(۲) سفرِ حج

اِس کا چند شرائط کے ساتھ فریضۂ اسلامی ہونا سب کو معلوم ہے۔

(۳) سفرِ جہاد

مختلف احوال واوقات میں اس کا فرض یا واجب یا مستحب ہونا بھی سب مسلمانوں کو معلوم ہے۔

(۴) سفرِ معاش

جب کسی شخص کو اپنے وطن میں ضرورت کے مطابق معاشی سامان حاصل نہ ہو سکے تو اس پر لازم ہے کہ یہاں سے سفر کرکے دوسری جگہ تلاشِ روزگار میں جائے۔

(۵) سفرِ تجارت

یعنی ضرورت سے زائد مال حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا، یہ بھی شرعاً جائز ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلاً مِنۡ رَّبِّكُمۡ.(البقرۃ:۱۹۸)

ترجمہ:(حج کے سفر میں تجارت اور مزدوری کر کے) اپنے رب کا فضل (یعنی حلال روزی) تلاش کرنے میں تمھارے لیے کوئی گناہ نہیں ہے۔

نوٹ: حلال روزی کو آیتِ کریمہ میں ''فضل'' سے تعبیر کیا گیا ہے؛ اس لیے کہ انسانوں کے لیے روزی کا انتظام کرنا باری تعالیٰ کے لیے ضروری نہیں ہے وہ محض اپنے فضل سے روزی کا انتظام فرماتے ہیں۔

ابتغائے فضل سے مراد اس آیت میں تجارت ہے، اللہ تعالیٰ نے سفرِ حج میں بھی تجارت کی اجازت دے دی ہے، تو محض تجارت کے لیے سفر کرنا بدرجۂ اولی جائز ہوا۔

(۶) طلبِ علم کے لیے سفر

اس کا بقدرِ ضرورت تحصیلِ دین کا فرضِ عین ہونا اور زائد از ضرورت کا فرضِ کفایہ ہونا معلوم ومعروف ہے۔

(۷) کسی مقام کو مقدس اور متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا

کسی مقام کو مقدس اور متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا، یہ بجز تین مسجدوں کے درست نہیں:

(۱) مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ)۔

(۲) مسجدِ نبوی (مدینہ طیبہ)۔

(۳) مسجدِ اقصی (بیت المقدس)۔

یہ امام قرطبیؒ اور ابن عربیؒ کی رائے ہے، دوسرے اکابر علمائے سلف وخلف نے عام مقاماتِ متبرکہ کی طرف سفر کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ (محمد شفیع)

(۸) اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے سفر

اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے سفر کرنا۔ جس کو ''رباط'' کہا جاتا ہے۔ کثیر احادیث میں اس کی بڑی فضیلت مذکور ہے۔

(۹) عزیزوں اور دوستوں کی ملاقات کے لیے سفر

حدیث میں اس کو بھی باعثِ اجر وثواب قرار دیا گیا ہے کہ آدمی عزیزوں اور دوستوں کی ملاقات کے لیے سفر کرے، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں اقربا واحباب کی ملاقات کے واسطے سفر کرنے والے کے لیے فرشتوں کی دعا کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(یہ جب ہے کہ ان کی ملاقات سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، کوئی مادی غرض نہ ہو) واللہ اعلم (قرطبی: ۵/ ۳۴۹ تا ۳۵۱، ماخوز از معارف القرآن: ۵/ ۳۴۱ تا ۳۴۳)

ملاقات کے لیے سفر کی فضیلت

باہمی الفت ومحبت، عزت واحترام کی بنا پر مسلمانوں کا ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا بھی ثواب سے خالی نہیں اور ملاقات کے لیے مستقل سفر کرنا یہ تو مزید باعثِ ثواب اور رحمتِ الٰہی کے حصول کا سبب ہے۔

چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی ملاقات کے لیے جائے تو جب تک وہ واپس نہیں

لوٹتا اس وقت تک رحمتِ الٰہی اس پر سایہ فگن رہتی ہے، اسی طرح جو شخص بغرضِ عیادت جاتا ہے وہ بھی فیضانِ الٰہی سے سرفراز ہوتا ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

من عاد مريضا أو زار أخاله في الله ناداه مناد بأن طبت وطاب ممشاك وتبوأت من الجنة منزلا. (الترغيب: ۳/ ۳٦٤)

ترجمہ: جس نے کسی مریض کی عیادت کی یا اللہ تعالیٰ کے واسطے اپنے بھائی کی زیارت کی، تو اسے ایک فرشتہ ندا دیتا ہے کہ خوب کیا اور تیرا چلنا مبارک ہو اور جنت میں تم نے ایک درجہ حاصل کرلیا۔

سفرِ شرعی کی مقدار

سفرِ شرعی کی مقدار: ۷۷ر کلومیٹر، ۲۴۸ر میٹر، ۵۱ر سینٹی میٹر بعض نے سوا ستتر اور بعض نے کسر ختم کر کے ۷۸ر کلومیٹر لکھا ہے۔ (المسائل المہمہ: ۱۳۸، محمود الفتاوی)

مسافرین کا سفر اگر مسافتِ سفر پر یعنی ۷۸ر کلومیٹر سے آگے کا ہو اور اس جگہ ۱۵ر دن سے کم رہنے کی نیت ہو تو نماز میں قصر یعنی چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھیں گے اور اس کے لیے اپنے وطن کی حد سے آگے نکلتے ہی قصر شروع کر دیں اور جب تک وطن نہ لوٹے تب تک قصر کرتا رہے۔

اور اگر ۱۵ر دن سے زیادہ ایک ہی مقام پر رہنے کی نیت ہو تو اِتمام یعنی پوری چار رکعت پڑھیں گے۔

والله تعالىٰ أعلم وعلمه أتم

سفر کی کارگزاری

مصاحبینِ سفر کا تعارف

(۱) مشفقی، محسنی، استاذی اور میرے مرشدِ ثانی، حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ۔

(شیخ الحدیث وصدر مفتی: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، خلیفۂ ارشد: حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ، رکنِ شوریٰ: دارالعلوم دیوبند وندوۃ العلماء لکھنؤ)۔

نوٹ: اس پورے سفر نامے میں جہاں کہیں بھی ''حضرت دامت برکاتہم''، ''حضرت مفتی صاحب'' یا صرف ''حضرت'' کا لفظ آئے گا تو وہاں ''حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم'' ہی کی شخصیتِ بابرکت مراد ہے۔

(۲) حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب پانڈور افریقی دامت برکاتہم۔

(خلیفہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوّر اللہ مرقدہ اور جانشین فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ)۔

(۳) حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب میر قاسمی کشمیری زیدت معالیہم۔

(مہتمم: مدرسہ رحیمیہ بانڈی پورہ، مدیر ''النور'' ورکنِ شوری: دارالعلوم دیوبند)

(۴) مولانا محمود کھیرواں والے۔ (مہتمم: مدرسہ محمودیہ کھیرواں)۔

(۵) خود راقم الحروف: محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی بارڈولی۔

(مدرس: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)۔

(۶) محترم حاجی ساجد میمن صاحب دمن۔

SKY INTER NAT IONAL TOUR AND TRAVELS

DAMAN

(۷)محترم حاجی عابد ڈنگمار، مقیم لیسٹر برطانیہ۔

(۸)ازبکستان کی ٹور کمپنی جن کے ساتھ اس قافلے کا سفر ہوا۔

بعد میں شیخ الحدیث حضرت مولانا حنیف صاحب لوہاروی مدظلہ العالی کے قافلے نے بھی ان کے ساتھ سفر کیا، ان کا مکمل پتہ یہ ہے:

ABDURRAHMAN

REST AND TRAVEL TOUR COMPANY

TOURS & SIGHTSEEING

+998951445566

REST AND TRAVEL TOUR COMPANY

5/1 MIRABAD STREET 100031

TASHKENT UZBEKISTAN

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ،وَنَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ،وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَاِمَامَنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ،صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ، وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً....اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِھِمْ عِبْرَۃٌلِاُولِی الْاَلْبَابَ.(یوسف:۱۱۱)

ترجمہ: پکی بات یہ ہے کہ ان نبیوں کے(اوراس سورت میں خاص کر حضرت یوسف علیہ السلام اوران کے بھائیوں کےاور پچھلی امتوں کے)واقعات میں عقل والوں کے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے۔

ہم اس وقت ایک کارگزاری کی مجلس میں جمع ہوئے ہیں۔

قرآنِ مجید کے بعد ہمارے مذہب میں جس کتاب کا درجہ ہے وہ امام بخاریؒ کی جمع کی ہوئی کتاب:

”الجامع الصحیح المختصر من أمور رسول للّٰہ ﷺ وسننه وأيامه“

جس کو ہم سب ”بخاری شریف“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

جس سرزمین پر یہ کتاب لکھی گئی، ترتیب دی گئی،اسی طرح صحاحِ ستہ میں

سے ایک دوسری کتاب ''ترمذی شریف'' وہ جس علاقے میں، جس شہر میں لکھی گئی، ترتیب دی گئی، اس علاقے کے سفر کی یہ کارگزاری ہے۔

سفر کی تاریخ

اِس سال ۱۴۳۴ھ شوال کے مہینے میں دوسری تاریخ کو ۱۰/اگست ۲۰۱۳ء کو یہ سفر شروع ہوا۔

بخارا، سمرقند، ترمذ یہ سب تاریخی علاقے اس وقت ''ازبکستان'' نامی ایک ملک کے احاطے میں آتے ہیں۔

ازبکستان کے سفر کے لیے ویزا کے مراحل

تقریباً شعبان کا مہینہ اور رمضان المبارک کے کچھ ایام اس ملک کی ویزا کے حصول کی تگ ودو میں خرچ ہوئے، بڑے مشکل مراحل سے گذرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ویزا حاصل ہوا۔

رفقائے سفر

رمضان سے قبل جو مشورہ ہوا تھا، اس میں اس سفر کے لیے درجِ ذیل احباب طے ہوئے تھے:

اوّلاً حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ اور بندۂ ناچیز اور ساتھ میں ہمارے تین ساتھی: ایک دمن سے حاجی ساجد میمن صاحب اور ایک ساتھی حاجی شوکت قریشی مرحوم جن کا پاسپورٹ (passport) ابھی ویزا میں گیا

ہوا تھا؛ لیکن تقدیر کی بات ۱۰ر رمضان کو ڈابھیل سے تراویح میں ختمِ قرآن کی مجلس کے بعد واپسی کے سفر میں کار کے حادثے میں عالی پور کے قریب ان کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی کروٹ کروٹ مغفرت فرمائیں۔

حق بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

ان کے علاوہ ہمارے ایک مخلص دوست حاجی عابد ڈنگمار صاحب دمنی (مقیم حال برطانیہ) یہ سب حضرات سفر کے لیے طے تھے۔

رمضان کے دوسرے عشرے میں ہمارے مخدوم اور ہمارے حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ کے جانشین: حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب بانڈی پورہ کشمیری اور حضرت مولانا محمود صاحب کھیروا، راجستھانی ان حضرات کی بھی سفر میں معیت کا شرف حاصل ہونے کی بات آئی۔ رمضان میں حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم کا قیام اس سال ''میل وشارم'' مدراس میں تھا، حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کا معمول ہے کہ ہر سال رمضان کے چند ایام حرمین میں اور چند ایام حضرت مولانا ابراہیم صاحب کے ساتھ گذارتے ہیں اور بقیہ زیادہ تر اوقات ڈابھیل میں تشریف رکھتے ہیں۔

خود حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کا ''میل وشارم'' سے فون آیا کہ ان حضرات کا بھی آنے کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا: حضرت! ڈیڑھ مہینے سے ہم ویزا کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، تب جا کر مشکل سے ویزا ملا ہے اور اب پندرہ

دن میں ان کا ویزا لگانا مشکل کام تو ہے؛ لیکن ناممکن نہیں ہے، آپ ان سے کہیے کہ:
وہ اُدھر دعا کریں، ہم اِدھر کوشش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ خیر مقدر فرمائے۔

ویزا میں اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد

تاخیر سے سہی ہمارے بھائی ساجد نے ان بزرگوں کے ویزا کی کوشش شروع کردی؛ لیکن واقعی ایک کرامت کی بات بتلانا چاہتا ہوں کہ: جمعہ کے دن عید تھی، عید سے ایک دن پہلے یعنی جمعرات کی صبح ویزا ازبکستان سے لگ کر آ گیا اور عجیب بات یہ ہوئی کہ ازبکستان کا سفارت خانہ- جو دہلی میں ہے اس- میں دوپہر میں ایک بجے کے بعد ویزا کا کوئی کام نہیں کرتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ مقدر کی بات تھی کہ شام کو پانچ بجے ان تینوں بزرگوں کا ویزا لگا۔ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل وکرم کا معاملہ ہوا تھا۔

سب حضرات حیران تھے کہ سفارت خانہ کے اوقات کے بعد شام کو ۵؍ بجے ویزا لگنا یہ عجیب بات تھی، پھر ویزا لگنے کے بعد ایک بڑا مرحلہ ٹکٹ کا تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان تینوں حضرات کے ٹکٹ بھی رات میں ہو گئے اور سنیچر کے دن یعنی ۲؍ شوال کو یہ سفر بحمد للہ شروع ہوا۔

سورت سے دہلی

سورت ہوائی اڈے (Airport) سے ہم تین حضرات- حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، جناب حاجی ساجد میمن صاحب اور بندہ- دہلی گئے۔

دہلی میں ہمارے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے بڑی محبت رکھنے والے اور دہلی میں حضرتؒ کے میزبان محترم: حاجی عبداللہ صاحب کے یہاں رات کا کھانا کھایا اور وہی پر سارے اکابرین جمع ہو گئے، میرٹھ سے حضرت مفتی فاروق صاحب بھی تشریف لائے تھے۔

سفر کے لیے ناشتہ، کھانا

محترم حاجی منصور صاحب کے یہاں سے سفر کے لیے زادو توشہ کا وافر مقدار میں انتظام بھی کیا گیا تھا۔

اس طرح کے سفر میں اگر ساتھ میں کھانا لے لیا جائے تو بڑی سہولت ہوتی ہے۔

محترم حاجی منصور صاحب نے اتنی مقدار میں کھانا بنوایا تھا کہ پورے سفر میں کام آسکے اور اس کو محفوظ کرنے کے لیے بھی خاص ترکیب آزمائی، اس کے ساتھ روٹیوں کی بھی کثیر مقدار اور مختلف قسم کے سوکھے ناشتے بھی ساتھ لے لیے گئے۔

اس سے قبل اندلس کے سفر میں برطانیہ سے اس طرح کھانا ساتھ لے کر چلے تھے، جس کا ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ دورانِ سفر کھانا تلاش کرنے کی فکر نہیں رہتی اور خاص کر جن ملکوں میں حلال کھانا ملنا آسان نہیں ہوتا وہاں بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔

محترم حاجی منصور صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

ڈابھیل سے ہمارے حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کے خادمِ خاص عزیزِ محترم: قاری عبدالحنان صاحب سورتی سلمہ نے ان کو ٹیلی فون پر جو بات عرض کی تھی اس سے کئی گنا زیادہ اور کئی دنوں تک آسانی سے سلامت رہ سکے ایسا

کھانا انھوں نے تیار کروالیا۔

دہلی میں حاجی منصور صاحب اور حاجی عبداللہ صاحب

ایسے بھی میرے مرشدِ اول اور مشفق استاذ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی حیات میں جب رمضان اور عید الاضحیٰ وغیرہ مواقع پر حضرتؒ کی صحبت اور خانقاہ میں جانے کے لیے ملک اور بیرونِ ملک سے جو قافلے دیو بند جایا کرتے، وہ عامتاً دہلی ہی سے گذرتے اور دہلی میں گاڑی اور ہوائی جہاز کی تبدیلی کے دوران حاجی منصور صاحب کے یہاں قافلوں کا قیام ہوتا اور محترم حاجی صاحب اور ان کی مرحومہ بیوی اور ان کے گھر کے خدام بہت ہی خوشی سے مہمانوں کی بڑی خدمت کرتے، مہمانوں کے ٹکٹ بنوانے اور تبدیل کرنے کے سارے مراحل بھی یہ لوگ انجام دیتے، گویا ان کا مکان مستقل مہمان خانہ بن جاتا۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

پہلے حاجی منصور صاحب کا مکان ''بلی ماران، گلی قاسم جان'' کے قریب تھا، اب ماشاءاللہ ''سویل لائن'' پر بڑا وسیع کشادہ مکان ہوگیا ہے۔

ہفتہ میں صرف ایک بار دہلی سے تاشقند جانے والے ازبک ایئر لائن سے رات تین بجے سفر شروع ہوا۔

وسطِ ایشیا کا تعارف

اس ملک کے سفر کی کارگزاری سے پہلے میں آپ حضرات کو اس ملک کا

تعارف کراتا چلوں۔

مشہور محقق وعالمِ دین اور سیاحِ عالم حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کا یہ جامع اقتباس نقل کرنا کافی ہے:

وسطِ ایشیاء کی جو مسلم ریاستیں- جو ستر سال سے زائد سوویت یونین کی محکوم رہیں اور سوویت یونین کے تارتار ہونے کے بعد- آزاد ہوئیں، وہ ازبکستان، تاجکستان، کرغیزستان، قازقستان اور ترکمانستان کے ناموں سے اب الگ الگ ملکوں کی حیثیت کرگئی ہیں۔

یہ پورا علاقہ کسی زمانے میں ترکمانستان کہلاتا تھا اور علم وفضل کا بہت بڑا مرکز تھا، جہاں سے تاریخِ اسلام کی وہ جگمگاتی ہوئی شخصیات پیدا ہوئیں، جن کے علم سے آج پورا اسلام فیض یاب ہو رہا ہے۔

سوویت یونین کے عہدِ اقتدار میں ان ریاستوں کے علماوصلحا پر جو قیامت گذری ہے ان کے مفصل حالات شاید کبھی منظرِ عام پر نہ آسکیں، ستر سال تک ان ریاستوں کا رابطہ نہ صرف عالمِ اسلام؛ بلکہ ساری دنیا سے اس طرح کٹا رہا ہے کہ نہ باہر کا کوئی شخص وہاں آسانی سے پہنچ سکتا تھا اور نہ وہاں کے لوگ باہر آسکتے تھے؛ بلکہ خط وکتابت کے ذریعے بھی ان سے رابطہ نہیں ہوسکتا تھا، ان ریاستوں کی آزادی کے بعد اب راستے کھلے ہیں اور وہاں آمد ورفت ممکن ہوئی ہے۔

ان ریاستوں میں سے ازبکستان وہ ریاست ہے جہاں مسلمانوں کی علمی تاریخ کے سب سے بڑے مراکز ”بخارا، سمرقند، ترمذ، فرغانہ اور تاشقند“ واقع ہیں۔

(ماخوذ: از سفر نامہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ”سفر درسفر“)

شاید حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم خاص اس ملک یعنی ازبکستان کا سفر اب تک نہیں کر سکے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا ازبکستان کا کوئی سفر نامہ باوجود تلاش کے نہ مل سکا۔

البتہ! حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مدظلہ العالی نے اس ملک کا سفر ۱۹۹۲ء میں کیا ہے، جس کا تفصیلی تذکرہ ان کے سفر نامہ ''لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمر قند'' میں درج ہے، جو نہایت دل چسپ بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔

ازبکستان کا تعارف

جب ازبکستان کا نام آہی گیا تو مولانا ذوالفقار صاحب کی کتاب سے اس کے بارے میں چند مفید باتیں عرض کر دیتا ہوں:

حضرت اقدس مولانا ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم نے اس علاقے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

فقیر کو مہمان حضرات کے ذریعے وسطِ ایشیا کے بارے میں درجِ ذیل معلومات حاصل ہوئیں:

وسطِ ایشیا کی سرحدیں شمال میں روسی سائیبریا کے یخ بستہ میدانوں کو چھوتی ہیں اور جنوب میں افغانستان وایران سے ملتی ہیں، یہ وسیع وعریض علاقہ ایک طرف چین کی سرحد سے ملتا ہے تو دوسری طرف کیسپئین کے ساحل تک جا پہنچتا ہے، افغانستان اور وسط ایشیا کے درمیان میں دریائے جَیْحُون ملتا ہے، اس لیے ہندو پاک کے لوگ اس علاقے کو ''دریا پار'' یعنی عربی زبان میں ''ماوَرَاءُ النَّھر'' کا علاقہ کہتے ہیں۔

یہ علاقہ سیر، کارا، زرافشاں اور آمو دریاؤں کی سرسبز اور زرخیز زمین پر مشتمل ہے، جس کے بطن میں سونے، چاندی، یورینیم گیس اور تیل کے وافر ذخائر ہیں، اس کے میدانوں میں کپاس اگتی ہے اور سڑکوں کے دونوں جانب کے باغات پھلوں سے لدے رہتے ہیں، اس کے ایک طرف پامیر کے برف پوش پہاڑ ہیں تو دوسری طرف ترکمانستان کے وسیع وعریض ریگستان بھی ہیں۔

ماضی میں وسطِ ایشیا کی اس سرزمین میں چوں کہ شاہراہ ریشم گذرتی تھی، لہذا یہ علاقہ زبردست فوجی اور اقتصادی اہمیت کا حامل رہا ہے، اسی وجہ سے وقت کے طالع آزماؤں اور توسیع پسندوں کی یلغار کا مرکز بھی یہی جگہ رہی ہے۔

تین سو سال قبل مسیح میں یہ زمین سکندرِ اعظم کے تابع رہی ہے، پھر ساتویں اور آٹھویں صدی میں عربوں کے ذریعے یہاں اسلام کی بہار آئی، تیرھویں صدی میں منگولیا سے چنگیز خان کی سفّا کی کا طوفان اٹھا اور اس نے اس علاقہ کی زندگی وتہذیب پر گہرے نقوش چھوڑے، قضاوقدر کے فیصلے ہیں کہ انیسویں صدی کے شروع میں اس قدر دینی تہذیب وتمدن رکھنے والی جگہ ایک مرتبہ پھر زار روس کی جارحیت کے نتیجے میں کفر کے ہاتھوں میں چلی گئی، ستر سال تک یہاں کمیونسٹ کے سرخ انقلاب کا دور دورہ رہا، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۹۱ء کے اخیر میں ان لوگوں کو آزادی کی نعمت عطا کی اور کمیونزم کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

فقیر کے لیے یہ معلومات دل چسپ ہی نہیں؛ بلکہ عبرت کا باعث بھی تھیں، قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں بہرے کانوں اور بند آنکھوں کو کھولنے کے

لیے کبریتِ احمر کا درجہ رکھتی ہیں۔ (لاہور سے تا خاکِ بخارا وسمرقند ص:۲۰)

ازبکستان کا ذکر

ازبکستان کو وسطِ ایشیا کی جمہوریاؤں میں مرکزی اہمیت حاصل ہے، اس کی آبادی دو کروڑ اور رقبہ ایک لاکھ ۵۸ ہزار مربع میل ہے، ازبک لوگوں کا سلسلہ منگولوں کے ان خانوں سے ملتا ہے، جنھوں نے اس وقت میں روس اور کیف تک بادشاہی کی، امیر تیمور نے اپنے دور میں تہذیب وثقافت کے وہ گہرے نقوش چھوڑے کہ جس کی جھلک سات سو سال کے بعد اب بھی سمرقند، بخارا اور خیوا کی حسین وجمیل مساجد اور عالی شان مدارس کی عمارتوں میں نمایاں ہے۔

ازبک لوگوں کو نہ صرف اس بات پر ناز ہے کہ یہ تیمور اور بابر کا وطن ہے؛ بلکہ اس بات پر بھی فخر ہے کہ یہ امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، امام منصور ماتریدیؒ جیسے علما اور شیخ بہاؤالدین نقشبندیؒ جیسے مشائخ اور علی شیر نوائی جیسے شاعر، ابن سینا جیسے سائنس داں اور البیرونی اور فارابی جیسے فلاسفروں کی سرزمین ہے۔ (لاہور سے تا خاکِ بخارا وسمرقند:۳۲)

لیکن آج جب یہ بندہ اس ملک کا تذکرہ کر رہا ہے تو وہ حضرت مولانا ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم کے سفرنامہ میں کسی اضافہ کا باعث نہیں ہوگا، البتہ اہلِ فکر ونظر کو مضطرب کرنے والا ضرور ہوگا۔

یوں تو مشہور سیاح ابن بطوطہ نے بھی ان علاقوں کا سفر کیا ہے، اس وجہ سے یہ بہت پہلے سے تاریخ میں درج ہیں۔

پھر محدثین وفقہائے احناف رحمہم اللہ اس سرزمین پر پیدا ہوئے ہیں، لہذا

حدیث وفقہ کی کتابوں کے ضمن میں؛ بلکہ مقدمہ میں اس علاقے کے خوب تذکرے ہوتے ہیں۔

کمیونسٹ انقلاب کے بعد اس علاقے سے اسلام اور اس کے نشانات مٹانے کے جو پیہم، منظّم اور مسلسل اقدامات ہوئے ان کے نتیجے میں یہاں اب اسلام کا نام و نشان بھی نہیں ملنا چاہیے تھا؛ لیکن اسلام کی حفاظت مالکِ کائنات کرتا ہے؛ لہذا اقبال مرحوم کا مشہور شعر:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن	پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کی عملی تفسیر دیکھنی ہو تو ان ریاستوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کے لیے باطل خصوصاً کمیونسٹوں اور یہودیوں نے کس طرح منظّم اور پیہم کوششیں کیں، جن کو سن کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔

کمیونسٹوں کے بارے میں

بخارا کے ہی ایک مفتی صاحب کی زبانی حالات درج کیے جاتے ہیں جو انھوں نے حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی دامت برکاتہم کی فرمائش پر بیان فرمائے تھے، وہ حالات انھیں کی کتاب سے درج کیے جا رہے ہیں۔

کمیونسٹوں کے حالات اتنے طویل ہیں کہ وہاں کے مفتی صاحب نے یہ شعر پڑھ کر حالات سنانا شروع کیا:

کہاں سے ابتدا کیجیے بڑی مشکل ہے درویشو	کہانی عمر بھر اور جلسہ رات بھر کا ہے

حالات کی تبدیلی کا اول مرحلہ

مفتی صاحب نے بتایا کہ:

سمرقند، بخارا شروع ہی سے علمی مراکز رہے ہیں، یہاں پر ہر طرف دینی ماحول تھا، لوگ علما کی قدر کرتے تھے، روس کے یہودیوں نے چاہا کہ اسلام کے ان مراکز کو تباہ کیا جائے، تو اس کے لیے انھوں نے بڑی گہری سازش تیار کی، اپنے چند خاندانوں کو تجارت کے بہانے سے بخارا منتقل کیا، یہ لوگ محنت کر کے تجارت کو چمکانے میں خوب کامیاب ہوئے، انھوں نے اپنے بچوں کو بخارا کے بڑے بڑے مدارس میں داخل کروایا، بچے چوں کہ بہت ذہین تھے اور خاندان میں سے چن کر انھیں اس کام کے لیے مختص کیا گیا تھا، اس لیے وہ اپنی پڑھائی میں بہت تیز تھے، اپنے ہم جماعت لڑکوں کو پیچھے چھوڑنے والے تھے، اساتذہ بھی ان کی عقلمندی کے مداح تھے، لہذا وہ ہمیشہ امتحانات میں پہلی پوزیشن حاصل کرتے اور انھیں ہمیشہ دوسروں پر سبقت حاصل ہوتی۔

مدرسے میں یہ بچے دین کا علم حاصل کرتے اور جب گھر آتے تو ماں باپ ان کے ذہن سے ہر چیز صاف کر دیتے اور بتاتے کہ ہم تو یہودی ہیں؛ مگر تمھیں ایک خاص مقصد کے لیے دینِ اسلام کا علم سکھا رہے ہیں۔

یہ بچے دین کا علم حاصل کرتے رہے؛ مگر اس کے نور سے محروم رہے، چوں کہ ان کے دلوں میں شک بھر دیا گیا تھا، جب کئی سالوں کے بعد تعلیم مکمل ہوئی تو ان بچوں کی ذہانت کی وجہ سے انھیں مدرسے کا استاذ بنا دیا گیا، یہ طلبہ میں بہت مقبول

ہوئے اور اپنی عقلمندی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے، وقت کے ساتھ ساتھ یہ خاموش سازش پروان چڑھتی رہی، حتی کہ ایک وقت ایسا آیا کہ یہ یہودی علما بخارا کے مفتی بن گئے۔

یہاں پر مفتی کی بات پر سب لوگ عمل کرتے تھے، انھوں نے کچھ عرصے تو اتنا اچھا کام کیا کہ لوگ عقیدت مند بن گئے، اس کے بعد آہستہ آہستہ انھوں نے ایسے فتوے دینے شروع کر دیے جو آپس میں علمی اختلاف کا سبب بنے، شروع شروع میں تو علما نے چشم پوشی کی؛ لیکن جب دیکھا کہ پانی سر سے گزر رہا ہے، تو انھوں نے ان کے خلاف علمی جنگ شروع کر دی، علما کی جماعت جو سیکڑوں سال سے متحد تھی، اب اس میں دو دھڑے بن گئے، ہر وقت مناظرے اور بحث و مباحثے کی کیفیت رہتی، عوام الناس اس سے بڑے تنگ ہوتے، حتی کہ ان کے دلوں سے علما کا احترام جاتا رہا اور انھوں نے علما سے ہٹ کر اپنی زندگی گزارنی شروع کر دی، معاشرے میں اتحاد و یگانگت کی وجہ سے جو برکات تھیں، وہ ہٹ گئیں اور سازش کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا۔

آج کل امت میں نت نئی بدعات ایجاد ہو رہی ہیں اور اس کو خوب بڑھا چڑھا کر کے لوگوں میں عام کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، اسی طرح غیر ضروری نت نئے مسائل کھڑے کر کے جو فتنے کا ماحول بنایا جا رہا ہیں، جس سے اصل ضروری مسائل سے اہلِ علم کی توجہ کو ہٹانے کی ناپاک سازشوں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ مذکورہ بالا سازش کا ہمارے ملکوں میں بھی تجربہ ہو رہا ہے اور اس کے کچھ شواہد بھی سامنے

آئے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے فتنوں سے امت کی حفاظت فرمائے، آمین۔

حالات میں تبدیلی کا دوسرا مرحلہ

ایسے حالات میں زارِ روس نے مسلمان ممالک پر قبضہ جمانے کی پالیسی پر عمل درآمد شروع کیا، یہ سازش کا دوسرا مرحلہ تھا۔

اس کا طریقۂ کار یہ اپنایا گیا کہ تمام مسلمان ممالک سے دوستی کی گئی، چند سال بڑے اچھے تعلقات رکھنے کے بعد مسلم ممالک کو تجویز پیش کی گئی کہ ہم آپ کے ملک میں سائنسی ترقی لانا چاہتے ہیں، آپ کے ملک میں ریلوے لائنیں بچھائیں گے، صنعتیں لگائیں گے، مال و دولت کی فراوانی ہوگی، مسلم ممالک کے حکام کو یہ پیش کش بہت اچھی لگی، علما نے منع بھی کیا؛ مگر کسی نے ایک نہ سنی، علما کا احترام پہلے ہی سے دلوں سے نکل چکا تھا، نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے؟

جب زارِ روس نے دیکھا کہ تمام ممالک کے اندر کے حالات مجھے اچھی طرح معلوم ہوگئے ہیں تو انھوں نے ہر ہر ملک کو یہ کہنا شروع کیا کہ دیکھو! تمھارا ملک تو سونے کی چڑیا ہے، معدنیات ہیں، تیل ہے، سونا موجود ہے، اگر آپ دوسرے ممالک سے جدا ہوجائیں تو آپ کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوجائے گی، اگر اسی حالت میں وسائل ظاہر کردیے گئے تو دوسرے ممالک بھی آپ سے حصہ مانگیں گے۔

یہ سازش اتنی کامیاب ہوئی کہ مسلم ممالک خود ہی ایک دوسرے سے جدا ہونے لگے، جب اختلافات بڑھ گئے اور چند سال میں سب ممالک ایک دوسرے سے جدا ہوگئے تو زارِ روس نے ان میں سے سب سے کمزور کے ساتھ جان بوجھ کر ایک جھگڑا

کھڑا کرلیا۔ دوسرے ممالک کو یہ یقین دہانی کرائی کہ تمھارا اور ہمارا تعلق تو نہ ٹوٹنے والا ہے؛ مگر فلاں کو ہم مزہ چکھانا چاہتے ہیں، لہذا ایک ملک پر قبضہ کرلیا، دوسرے سے دوستی کی پینگیں بڑھتی رہیں، مسلم ممالک کے حکمران اس دھوکے کو سمجھ نہ سکے اور وقت کے ساتھ ساتھ ایک ایک ملک پر قبضہ کرتے کرتے وہ وقت بھی آیا جب انھوں نے تمام ممالک کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

علما پر سختیوں کی انتہا

مفتی صاحب نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ:

تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ انقلاب آنے کے بعد کمیونسٹوں نے سب سے پہلا نشانہ علما کو بنایا، ان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا، پھانسی پہ لٹکا دیا گیا، علما کا اتنا قتل ہوا کہ ان کی لاشوں کا انبار لگا کر کرینوں کے ذریعہ اس پر مٹی ڈال دی گئی، وہ اجتماعی قبریں آج بھی کئی جگہوں پر موجود ہیں۔

بعض علما کو جہاز میں لے جا کر سائبریا کے برفانی سمندروں میں چھوڑ دیا گیا، ان میں سے اکثر سردی کی وجہ سے ٹھٹھر کر مر گئے، چند ایک جو بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے، انھوں نے بتایا کہ وہ سردی سے بچنے کے لیے ہر وقت حرکت کرتے رہتے، جب بھوک ستاتی تو برف توڑ کر نیچے پانی میں ہاتھ ڈال کر مچھلی پکڑتے اور زندہ مچھلی کو کھا لیتے، دن رات کسی بھی وقت وہ سو نہیں سکتے تھے، ذرا نیند غالب آتی اور بدن پرسکون ہونے لگتا تو اعضا سردی کی وجہ سے شل ہونے لگتے، چار و نا چار پھر اپنے بدن کو حرکت دیتے رہتے، جدھر اندازہ ہوتا کہ ادھر جانا چاہیے اس طرف کو چلتے

رہتے، یوں دن رات گزرتے رہتے، اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ سائبیریا کے برف سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

بعض اوقات علما کو اکٹھا کر کے دو ٹرینوں میں بٹھایا اور دونوں کو مختلف اسٹیشنوں سے چلایا اور پھر ویرانے میں تیز رفتار ٹرینوں کو ٹکرادیا، اکثر مر جاتے اور کچھ لوگ معذور ہو جاتے، پھر بہتان بھی علما پر لگایا جاتا کہ انھوں نے تخریب کاری کی ہے، ان پر سختی اور زیادتی کی جاتی، غرض کمیونسٹوں نے علما کا نام ونشان مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

سمرقند کے نزدیک ایک عالم ابھی زندہ ہیں، جو روسیوں کے مظالم کی داستانیں سناتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، انھوں نے بتایا کہ:

ایک برتن میں ان کا ہاتھ منہ دُھلایا جاتا، پھر ان کے سامنے پانی پھینک دیا جاتا اور اسی برتن میں کھانا ڈال کر کھانے کے لیے دیا جاتا؛ تاکہ ان کی طبیعت میں کراہت ہو اور کھانا بھی نہ کھائیں۔

رہنے کے لیے چھوٹی سی جگہ دی جاتی؛ تاکہ نہ بیٹھ سکیں، نہ لیٹ سکیں، نہ پاؤں پھیلا سکیں۔

سخت سردی کے موسم میں ٹھنڈا پانی ان کے جسم پر ڈالا جاتا، کبھی ساری ساری رات ٹھنڈے پانی میں بٹھا دیا جاتا؛ تاکہ سو نہ سکیں۔

ظالموں نے اس قدر ظلم کیے کہ علما نے ان سے درخواست کی کہ ہمیں پھانسی دے دو، یہ بات سن کر ظالم مسکرائے اور ماسکو والوں کو خوش خبری سنائی کہ ہم نے ان

علما کو اتنا تنگ کیا کہ موت انھیں اچھی لگنے لگی ہے، آفریں ہے ان علمائے کرام پر جنھوں نے یہ ساری سختیاں برداشت کیں؛ مگر کفر کو قبول نہ کیا۔

چند عجیب باتیں بھی سنیں کہ سمرقند کے قریب ایک غار ملا ہے جس میں ایک نیک آدمی اس حالت میں شہید پایا گیا کہ وہ التحیات پڑھ رہا تھا، گولی اس کے سینے میں لگی اور پشت سے نکل گئی، اسی حالت میں جان نکل گئی، اس کے ریش کے بال گر گئے؛ مگر بقیہ جسم سو سال کے بعد بھی سلامت ملا۔

ایک پہاڑ پر ایک غار میں کچھ پاک دامن و پاکباز عورتوں کی لاشیں ملیں، دروازے کے قریب ایک صاحب پہرہ دینے کی حالت میں قتل کر دیے گئے تھے، آج بھی کوئی آدمی اس غار میں جانے کے لیے اوپر چڑھے تو اسے چھوٹے چھوٹے پتھر اس طرح سے آ لگتے ہیں جیسے کسی نے نشانہ مارا ہو، جتنا اوپر چڑھتے جائیں پتھروں کی بارش تیز ہو جاتی ہے، اسی لیے اب کوئی آدمی اس پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔

سرخ انقلاب میں ہزاروں علما کو صرف اس لیے شہید کیا گیا کہ یہ خدا کے ماننے والے ہیں:

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن	خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ترجمہ: خاک وخون میں تڑپنے کی کیسی اچھی رسم کی بنیاد ڈالی، ان عاشقانِ پاک فطرت پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں۔

تیسرا مرحلہ: دین مٹاؤ تحریک

علما کے وجود کو اپنے زعم میں ختم کرنے کے بعد تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ اسلام کو

لوگوں کی زندگیوں سے ختم کر دیا جائے، اس کے لیے انھوں نے نہ صرف قرآنِ کریم اور اس کی تعلیم پر پابندی لگائی؛ بلکہ قانون بنایا کہ عربی اور اردو رسم الخط میں لکھی ہوئی کوئی عبارت یا کتاب کا صفحہ کسی گھر سے نکل آیا تو اس کے گھر کے سب لوگوں کو پھانسی کی سزا دے دی جائے گی، لوگ اپنی جان کے خوف سے دینی تعلیم سے بالکل محروم ہو گئے، ازبک اور تاجک زبان کے حروف ابجد عربی سے ملتے تھے، انھوں نے اس کو بھی بدل ڈالا اور روسی زبان کو مسلط کر دیا؛ تاکہ ان کی آنے والی نسلیں دینی علم سے محروم ہو جائے۔

عورتوں کو سر پر کپڑا لینے سے روکا جاتا، اسکول و کالج جانے والی بچیاں اگر سر پر کوئی کپڑا لیتیں تو پولیس والے ان کو بازار میں کھڑا کرتے اور سر سے کپڑا اتار لیتے، پھر اگر ان کے بال لمبے دیکھتے تو قینچی سے بال کاٹ دیتے۔

لوگوں کو یہ تعلیم دی جاتی کہ مذہب افیون کے نشے کے مانند ہے، خدا نے انسان کو پیدا نہیں کیا؛ بلکہ انسان نے خدا کے تصور کو پیدا کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی تعلیم دیتے کہ انسان کی کچھ ضروریات ہیں جن کو پورا کرنے میں اسے شرم محسوس نہیں کرنا چاہیے، مثلاً:

جہاں بھوک لگے، وہاں کھانے میں کیا شرم؟
جہاں پیاس لگے، وہاں پینے میں کیا شرم؟
جہاں نیند آئے، وہاں سونے میں کیا شرم؟
جہاں شہوت محسوس ہو، وہاں کسی قریبی لڑکی سے جماع کرنے میں کیا شرم؟

موسیقی کو اس طرح عام کیا گیا کہ ہر گھر کے اندر ریڈیو کا ایک رسیور لگوانا اور اسے ہر وقت چالو رکھنا ضروری تھا، حتی کہ چند ایک مساجد میں جو دکھانے کے لیے باقی رکھی گئی تھیں، ان کے محراب میں بھی یہ اسپیکر لگوایا گیا، اس اسپیکر میں ہر وقت دہریت کی تعلیم دی جاتی یا پھر موسیقی سنائی جاتی، ہر مرد و عورت کو نہ چاہتے ہوئے بھی موسیقی سننا پڑتی، لہٰذا ان میں عیاشی کا رجحان بڑھتا رہا۔

شراب کو اتنا عام کیا گیا کہ ''سیون اپ'' کی بوتل چار روبل کی اور شراب کی بوتل دو روبل کی ملتی، عام لوگ مجبوری کی وجہ سے سیون اپ کے بجائے شراب پیتے، شراب اس لیے عام کی گئی تا کہ شرم و حیا معاشرے سے ختم ہو جائے، لوگوں کے ذہن سے دین کا نام و نشان ختم ہو جائے۔

''روبل'' روسی کرنسی کا نام ہے، آج کل ازبکستان میں ''سومو'' کرنسی ہے۔

سوّر کے گوشت کو عام کر دیا گیا؛ تا کہ حرام گوشت کھانے سے بے حیائی پیدا ہو، چنانچہ بھُنا ہوا گوشت اتنا سستا کہ لوگ کباب (شش لک) کھانے کے عادی بن گئے، عام آدمی جو پکا ہوا سالن نہیں خرید سکتا تھا، وہ سیخ کباب وغیرہ لے کر روٹی سے کھالیتا اور یوں اس کے جسم میں حرام سرایت کر جاتا۔

نام و نشان نہ رہے، ایک زبردست گندی سازش

جب کمیونسٹوں نے لوگوں کی زندگیوں سے دین کو مٹا دیا، تو انھیں خطرہ ہوا کہ کچھ لوگ چوری چھپے دین پر عمل نہ کرتے ہوں، اس کے لیے انھوں نے انقلاب کے تین سال بعد ایک مرتبہ اعلان کیا کہ: ہم عبادت کرنے والوں پر نرمی کرتے ہیں،

ہر بندہ اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرے، مسلمان اس اعلان پر بہت خوش ہوئے، آہستہ آہستہ لوگوں نے گھروں میں نماز پڑھنی شروع کردی۔

خفیہ ایجنسیاں ان کی رپورٹ بناتی رہیں، تین سال تک فہرستیں بنتی رہیں، پھر اچانک ایک دن ان تمام لوگوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا جو دین کا نام لیتے تھے، اس آپریشن کے بعد کمیونسٹ لوگ بہت خوش ہوئے کہ اب ہم نے دین کا نام ونشان مٹا دیا۔

نوٹ: موجودہ پرتگال کا ایک علاقہ سابقہ خلافتِ اسلامیہ اندلس کا ایک حصہ تھا، سقوطِ اندلس کے موقع پر عیسائیوں نے اس علاقے میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی شناخت کے لیے اسی طرح کی ایک بھیانک سازش کی تھی، جس کو انشاء اللہ پرتگال کے سفرنامے میں ذکر کروں گا۔ (محمود)

دنیا کے دوسرے لوگوں سے رابطہ ہی کاٹ دیا

کمیونسٹ حکمرانوں نے اپنے نظام کو ٹھوسنے کے لیے عوام الناس کا بیرونی دنیا سے بالکل رابطہ کاٹ دیا، اول تو باہر کا سفر کرنے کے لیے پاسپورٹ ہی نہیں ملتا تھا، اگر کوئی لے لیتا تو اس کے پیچھے خفیہ ایجنسیاں لگ جاتیں، ہر آدمی پر خوف مسلط رہتا، میاں بیوی ایک دوسرے کی مخبری کرتے، حتی کہ سگے بھائی بہنوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ رہا، یوں ایک گھر میں رہنے والوں کا بھی ایک دوسرے سے پتہ کاٹ دیا گیا۔

ان تمام اذیت ناک باتوں کو سننے کے بعد فقیر (مولانا ذوالفقار صاحب نقشبندی) نے مفتی صاحب سے سوال کیا کہ:

آپ یہ بتائیں کہ پھر ستر سال کے بعد بھی دین کے آثار کیسے بچے؟
مفتی صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر بتایا:

دیوانوں کی روئیداد، اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت فرمائی

کمیونسٹ لوگوں کی حکومت عوام کے جسموں پر تھی، عوام کے دلوں پر نہیں تھی، جو لوگ دل میں ایمان کا نور رکھتے تھے، انھوں نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا اور "قلبه مطمئن بالایمان" (ان کا دل ایمان پر مطمئن رہا) والا درجہ پایا گیا، روسیوں نے ان کا سراغ لگانے کی ہر ممکن کوشش کی، بعض پکڑے گئے اور بعض تک ان کی رسائی نہ ہوسکی۔ مثلاً: میرے والد صاحب بہت بڑے عالم تھے، انقلاب آتے ہی انھوں نے اپنی وضع قطع ایسی بنالی جیسے انھیں "الف، ب" بھی نہیں آتی، وہ سارا دن ٹریکٹر پر سوار ہوکر سرکاری زمین میں ہل چلاتے رہتے، سولہ سے اٹھارہ گھنٹے تک کام کرتے، حتی کہ سب لوگ ان کو ٹریکٹر کا عاشق سمجھتے؛ مگر ان کا حال یہ تھا کہ رات بارہ بجے جب کھیت سے فارغ ہوکر گھر آتے تو مجھے اس وقت بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

میں چھوٹا بچہ تھا، اس وقت میرے والد صاحب گھر میں میری والدہ سے فرماتے کہ: چائے بناؤ، پھر مجھے دسترخوان پر بٹھاتے اور اتنی دیر کمرے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتے۔

کبھی کبھی باہر پولیس والے آتے اور مجھے مٹھائی دیتے اور پوچھتے کہ: تیرا باپ گھر میں نماز پڑھتا ہے؟

میں کہتا کہ: نہیں؛ اس لیے کہ میں تو چائے کے دسترخوان سے اٹھ کر جاتا تھا،

بعض بچوں سے پولیس والے پوچھتے کہ: بتاؤ! تمھارے والدین نے تمھیں عربی کا کوئی فقرہ یاد کروایا ہے یا نہیں؟

اگر وہ ہاں کر دیتا تو اس کے باپ کو پھانسی دے دیتے، اگر کسی بچے کو بسم اللہ کا لفظ یاد ہو تو اس کے والد کو جیل میں بھیج دیا جاتا، جو بچے اسکول جاتے ان کے استاذوں کی ذمے داری ہوتی کہ اگر کسی بچہ کو عربی الفاظ آتے ہوں تو KGB جاسوس ایجنسی کو رپورٹ کریں۔

علما اس قدر زیرزمین رہ کر کام کرتے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو سکے، مختلف مکانات میں اور حجروں میں خفیہ تعلیم دینے کا سلسلہ چلتا رہتا۔

ہم بعض اوقات ایک بڑا ہال بناتے اور اس میں ضروریات کی ہر چیز مہیا کرتے، پھر اس کے گرد دوسرے کمرے بناتے اور اس ہال کمرے کو اتنا ساؤنڈ پروف بناتے کہ آواز باہر نہ جاسکے، ایک کمرے سے اس ہال کمرے کا دروازہ ہوتا تو اس کے دروازے کو لکڑی اور کیلوں کے ذریعہ مضبوط بند کر دیتے، آگے الماریاں رکھ دیتے، پھر اس کمرے میں شراب کی بوتلیں اور چند ننگی تصویریں رکھ دیتے، پولیس والے جب گھر کی تلاشی لیتے تو شراب والے کمرے کو دیکھ کر سمجھتے کہ یہ کمیونسٹ لوگ ہیں، ان کا دین سے کیا واسطہ؟ وہ خوش ہو کر چلے جاتے، انھیں کیا پتہ کہ جہاں وہ کھڑے ہوتے تھے، وہاں سے چند میٹر پر بچے اپنی معصوم زبانوں سے اللہ تعالیٰ کا قرآن پڑھ رہے ہوتے تھے، ہم استاذ اور بچوں کو بعض اوقات چھ مہینوں کے بعد باہر نکالتے، بعض بچے اندر جاتے وقت قرآن کا لفظ نہیں جانتے تھے؛ لیکن جب باہر نکلتے تو پورا قرآن پڑھنا

سیکھ چکے ہوتے تھے، مسلمان عورتوں کی بڑی قربانی ہوتی کہ وہ اپنے بیٹے کو جب ہال میں بھیج دیتیں تو خود گھر کے صحن میں ہوتی، مگر چھ مہینے تک اپنے بچے کی شکل نہیں دیکھ سکتی تھیں، ہمارے لوگ فرزانے ہوتے تو دین سے خالی ہوجاتے؛ مگر یہ لوگ تو دیوانے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کا دین سلامت رکھا:

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے	تابہ منزل صرف دیوانے گئے

(لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند: ۸۰)

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت مولانا ذوالفقار صاحب کا سفر ۱۹۹۲ء میں ہوا تھا اور جب ہم اس ملک کا سفر کر رہے ہیں یہ ۲۰۱۳ء ہے، گویا درمیان میں تقریباً بائیس سال کا وقفہ ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ روسیوں کے تسلط سے یہ ملک دیگر وسطِ ایشیائی ریاستوں کی طرح ۱۹۹۱ء میں اس حال میں آزاد ہوا کہ آزادی کے لیے نہ ہی کوئی تحریک چلی اور نہ ہی جلسے جلوس ہوئے، نہ کوئی خون خرابا اور قتل وقتال یا ہنگامہ آرائی؛ بلکہ یہ ریاستیں اس وقت کی مضبوط اور خطرناک سپر پاور طاقت ''سوویت یونین'' روس کے ٹوٹ کر بکھر جانے کے نتیجے میں وجود میں آئی۔

آزادی: اللہ تعالیٰ کا فضل

ہمارے سفر کے ازبک ناظم بھائی عبدالرحمٰن نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ایک عجیب بات بتلائی کہ: الحمدللہ! ہمارے ان ملکوں کو جو آزادی نصیب ہوئی، وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوئی ہے، آزادی کے لیے نہ ہمیں جلوس (ریلیاں)

نکالنی پڑیں، نہ کوئی مسلح جدو جہد کرنی پڑی، ۱۹۹۱ء میں ہمارا ملک اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آزاد ہوا۔

اس بات کو انتہائی درد کے ساتھ بیان کیے بغیر رہا نہیں جا سکتا کہ ۱۹۹۱ء میں روسی تسلط سے آزاد ہونے کے بعد سے لے کر اب تک بائیس سال کے عرصے میں سخت پابندیوں کی وجہ سے یہاں پر کوئی قابلِ ذکر علانیہ اسلام کے اثر ونفوذ اور اشاعت وحفاظتِ دین کا کام نظروں میں نہیں آتا، جو کچھ ہے وہ اسلام کے عاشقوں اور دینِ متین کی محبت میں سرشار قلوب کی اسلام سے وابستگی ہے۔

صدیوں سے اہلِ ایمان کے دلوں میں اسلام کی جو محبت رچی بسی اور رگوں میں پیوست ہے اس نے یہاں پر اسلام اور ایمان سے محبت اور تعلق کو باقی رکھا ہوا ہے اور اس کا اظہار ان لوگوں کے یہاں موجود ''رحمت'' و''سلامت'' کے محبت بھرے الفاظ سے ہوتا ہے، ورنہ اعمالِ اسلام، شعارِ اسلام، تعلیماتِ اسلامیہ، علومِ دینیہ، اسلامی تہذیب وتمدن حتی کہ کلمۂ اسلام؛ بلکہ قرآنِ پاک اور سید المرسلین ﷺ کے اسمِ مبارک سے بھی یہ حضرات واقف نہیں ہیں؛ چوں کہ اس کی تعلیم وتربیت کا ان کے یہاں کوئی نظام بھی موجود نہیں، نہ ہی اس کے قائم کرنے کی اجازت۔

رحمت اور سلامت کا مطلب

یہ دونوں الفاظ اس ملک میں بڑے، چھوٹے، مرد، عورت سب کی زبان پر ہوتے ہیں، گویا ایسا محسوس ہوا کہ یہ دونوں لفظ وہاں ایک مؤمن کے ایمانی تعارف کا شعار بنے ہوئے ہیں اور ایسا بھی اندازہ ہوا کہ کسی کو مبارک بادی دینے کے لیے، اسی

طرح کسی کا استقبال کرنے کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور جب وہاں کے لوگ اس طرح کے الفاظ بولتے ہیں تو بہت پیارا لگتا ہے کہ ایک دوسرے کو رحمت اور سلامتی کی دعائیں دے رہے ہیں۔

روانگی سے قبل ممکنہ خطرات سے آگاہی

ازبکستان میں ہمارے سفر کے ناظم بھائی عبدالرحمٰن تھے، جو نسلاً ازبکی ہے، ہمارے بھائی ساجد دمن والے کا انٹرنیٹ کے ذریعہ ان سے رابطہ ہوا تھا، انھوں نے ہمیں بتلایا تھا کہ آپ سب حضرات اپنے ساتھ کوئی مذہبی کتاب نہ لائیں، یہاں بہت سختی ہوتی ہے، کتابوں کو کوڑے دان میں ڈال دیتے ہیں اور آپ حضرات تبلیغی جماعت میں آئے ہوئے ہو یا دینی سلسلے میں آئے ہوئے ہو، ایسی کوئی بات بھی ایئرپورٹ پر نہ کریں، ورنہ آپ لوگوں کی تفتیش اور جانچ پڑتال بہت زیادہ ہو جائے گی، اس تاکید کی وجہ سے ہمارے ذہن پر ایک قسم کے خوف اور ڈر کی کیفیت تھی کہ پتہ نہیں کہ کیسا ماحول ہوگا؟

حالاں کہ ہم سن رہے تھے کہ ننانوے فی صد مسلم آبادی والا ملک ہے، آگے برطانیہ کا دینی سفر بھی تھا اور وہاں کے حضرات کے لیے دینی کتابوں کے سیٹ لے جانے تھے، وہ بھی ساتھ نہ لے سکے اور اس کو ہندوستان ہی سے دوسروں کے ذریعہ سیدھا برطانیہ بھیج دینا پڑا، ویسے ائیرپورٹ پر جب سوال وجواب ہوئے اور ان کو بتایا گیا کہ ہمارے سفر کا ایک مقصد زیارت بھی ہے تو اس سے اعلی افسران خوش ہوئے اور ہوائی اڈے کی کارروائی میں قدرے سہولت ہوئی۔

عبرت انگیز واقعہ

جب ہم دہلی ایئرپورٹ سے ہوائی جہاز میں بیٹھے اور Run Way پر ہوائی جہاز پہنچا تو ازبکستان کے دو مسلمان بھائی- جو اس ہوائی جہاز میں ہمارے ساتھ سفر کر رہے تھے- میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جہاز کے روانہ ہوتے ہی دونوں نے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگنا شروع کر دیں، چند لمحے دعا مانگنے کے بعد دعا کے اختتام پر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا، جس سے اندازہ ہوا کہ سالہا سال تک کمیونسٹوں کے اسلام کو مٹانے کی کوششوں کے باوجود اس دینِ حق کی چنگاری مسلمانوں کے قلوب میں روشن ہے، گویا اقبال مرحوم کا مصرع حقیقتِ واقعہ بن کے سامنے آیا تھا:

آساں نہیں مٹانا نام ونشان ہمارا

ظاہری وضع قطع سے اسلامی شناخت تو دشوار تھی؛ لیکن دعا کا اہتمام بتلا رہا تھا کہ ماشاءاللہ دینی فضا قائم ہے۔

ایک بوڑھی عورت کا جہاز میں نماز پڑھنا

فجر کا وقت قریب تھا، ایک بوڑھی ازبک عورت نے جہاز میں بیٹھے بیٹھے سامنے کی سیٹ پر تیمّم کیا اور اسی حال میں اشارے سے نماز ادا کی۔ **سبحان اللہ!** یہ اسلام ہی کی قوت اور طاقت ہے کہ تقریباً پون صدی تک دشمنانِ اسلام کی مسلسل بے پناہ کوششوں کے باوجود وہ اس عظیم مذہب کو مٹانے میں ناکام رہے۔ کس قدر جانی، مالی، عسکری قوت ان دشمنانِ اسلام نے اس کو مٹانے کے لیے صرف کی، اس

کے باوجود وہ مسلمانوں کے قلوب سے جذبۂ ایمان جدا نہ کرسکے۔

جہاز میں نماز

ہم لوگوں کی کوشش جہاز میں بھی یہ رہتی ہے کہ نماز جماعت سے ادا ہو جائے اور کم از کم قیام، قعود، رکوع اور سجدہ کی تکمیل کے ساتھ نماز ادا ہو جائے اور اکثر ممالک کے جہازوں میں اس کی اجازت مل جاتی ہے۔ فللہ الحمد!

یہاں بھی جہاز کے عملے سے درخواست کی گئی کہ ''ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں، نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں''، انھوں نے قطعاً ممانعت کردی، جس کی وجہ سے پریشانی لاحق ہوگئی، ایک رفیقِ سفر نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو عملہ کا جواب تھا ''جہاز کے کپتان کی طرف سے مکمل ممانعت ہے؛ اس لیے ہم اجازت دینے سے معذور ہیں''۔

الغرض! ہوائی جہاز دو ملک پاکستان اور افغانستان پر سے گذرتے ہوئے ازبک کی سرحد میں داخل ہوا تو فجر کا وقت ختم ہونے کے قریب تھا۔

پھر ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور ہمت کر کے دوبارہ درخواست کی تو ہوائی جہاز کے اسٹاف نے خاموشی برتی، اس کو ہم نے اجازت پر محمول کر کے دو دو ساتھی کر کے نماز پڑھنا شروع کردی اور الحمدللہ! ہماری فجر کی نماز ادا ہوگئی۔

سفر میں نماز کے برکات

ایسے بھی عام طور پر یہ دیکھا گیا کہ جب بھی سفر کے دوران نماز کا وقت ہو

اور ہم نماز پڑھ لیتے ہیں تو نماز کی برکت سے سفر میں شامل دوسرے مسافر حضرات اور ساتھ بیٹھنے والے اکرام کرنے لگ جاتے ہیں، اکثر یہ بات تجربے میں آئی کہ نماز پڑھنے سے قبل جس نظر سے لوگ ہم کو دیکھتے ہیں، نماز کے بعد لوگوں کی محبت اور اکرام میں اضافہ ہی ہو جاتا ہے اور لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ مذہب پر عمل کرنے والے حضرات ہیں۔

ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کے لیے آپ وہاں کے خدام کو ادب اور نرمی سے درخواست کیجیے اور آپ ان کو بتلا دیجیے کہ ہماری نماز پڑھنے میں ہم کو تین چار منٹ سے زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہے، بہت ہی مختصر وقت میں ہم نماز سے فارغ ہو جائیں گے تو ان شاء اللہ وہ خوشی خوشی اجازت دے دیں گے اور ہم بھی اجازت طلب کرنے سے پہلے ہر طرح تیار ہو جائیں اور کم سے کم وقت میں نماز سے فارغ ہونے کی فکر کریں، خاص کر جب مسافر حضرات کی خدمت کا وقت ہوتا ہے، مثلاً کھانا یا مشروبات پیش کر رہے ہوں، ایسے وقت میں اجازت لینے میں احتیاط سے کام لیں، چوں کہ اس وقت اجازت طلب کرنے میں وہ اپنی مفوضہ خدمات میں رکاوٹ سمجھتے ہیں، جو منع کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

نیز جب ہوائی جہاز اترنے والا ہو یا فضا میں ابھی اس کی پرواز شروع ہی ہوئی ہو یا موسم کی خرابی کی وجہ سے پٹہ باندھے رکھنے کے نشانات جاری ہوں ایسے وقت بھی اجازت طلب کرنے سے احتیاط کرنا چاہیے۔

باقی کئی مرتبہ دیکھنے کو ملا کہ نماز کے لیے جب اجازت مانگی گئی تو وہ باقاعدہ

دھلی ہوئی، صاف ستھری چادر بھی دیتے ہیں اور فرسٹ کلاس کی سیٹیں جہاں ہوتی ہیں، وہاں لے جا کر نماز کی جگہ فراہم کرتے ہیں۔

بعض مرتبہ ہوائی جہاز میں جو عملہ ہوتا ہے وہ کسی وجہ سے منع کرتا ہے، تو آپ اس کے منیجر سے پورے اطمینان کے ساتھ بات کیجیے تو وہ خود بھی آپ کی مدد کریں گے۔

ایک مرتبہ عملے کی ایک خادمہ نے نماز کے لیے جگہ دینے سے انکار کر دیا، کچھ وقت گذر جانے کے بعد ان کے رئیس سے بات چیت کی تو انھوں نے اپنے ماتحتوں کی طرف سے جو منع کیا گیا تھا اس پر معذرت پیش کی اور پھر اس خاص خادمہ کو بلا کر اس کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی معذرت پیش کریں۔

ہوائی اڈے پر نماز کی جگہ

اب تو ماشاء اللہ بہت سارے ہوائی اڈوں پر نماز کی جگہیں بنی ہوئی ہیں، اس پر Prayer room لکھا ہوا ہوتا ہے، اس میں ہر مذہب کے لوگوں کو عبادت کی اجازت ہوتی ہے، مسلمانوں کے لیے بھی نماز کی گنجائش ہوتی ہے، وہاں جا کر کے نماز ادا کر سکتے ہیں۔

سفر میں دینی وضع قطع

اسی طرح سفر میں دینی وضع قطع، لباس کا بھی اہتمام کیجیے، ہماری عزت دین میں ہے، ہماری اسلامی پہچان اور دین داری سفر و حضر سب جگہ ہونی چاہیے، بعض لوگ سفر میں لباس تبدیل کر دیتے ہیں، گویا اسلامی لباس میں سفر کرنے میں عار، شرم

محسوس کرتے ہیں کہ لوگ کیا بات کریں گے، کیا سوچیں گے؟

باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ. (الاحزاب:۳۷)

ترجمہ: اورتم لوگوں سے ڈرتے ہو؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ تم اس سے ڈرو۔

ہوائی اڈے پر کارروائی

جب ہمارا جہاز تاشقند ہوائی اڈے پر پہنچا تو وہاں کارروائی بھی عجیب وغریب ہورہی تھی، کئی کئی فارم پُر کروائے جارہے تھے اور یہ بھی ایک عجیب بات دیکھی کہ جو ممالک بڑے سمجھے جاتے ہیں اور طاقت میں مضبوط سمجھے جاتے ہیں، وہاں ہوائی اڈے پر کارروائیوں کے کاغذات کم سے کم ہوتے ہیں اور چھوٹے اور کمزور سمجھے جانے والے ممالک میں ہوائی اڈوں پر کاغذاتی کارروائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

پھر سامان لادکر باہر لے جانے کے لیے ہوائی اڈے پر جو ٹرولی ہوتی ہے، بعض ممالک میں مفت ہوتی ہے اور بعض ممالک میں اس کے لیے بھی پیسے چکانے ہوتے ہیں، یہاں پر بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ سامان کی ایک ٹرولی لینے کے لیے مقامی ۳۰ر ہزار سومو (کرنسی) دینے پڑتے تھے، اتنی مقدار پڑھ کر ہم دنگ رہ گئے اور ٹرولی کے بجائے ہاتھ سے سامان منتقل کرنے کا ارادہ کرلیا، اگرچہ بعد میں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات سامنے آئی کہ ایک امریکی ڈالر کے مقابلے میں وہاں مقامی تقریباً ۲۴۰۰ر سومو آتے ہیں، اس سے یہ بھی سیکھنے کو ملا کہ جس ملک میں جائیے، وہاں کی کچھ

کرنسی بھی اپنے ساتھ رکھ لینی چاہیے اور ہمارے ہندوستان کے ایک روپئے کے مقابلے میں وہاں کے ۳۹ر کرنسی مل رہی تھی، یہ بات جب سنی تو اس سے ایک خوشی یہ ہوئی کہ چلیے! ہمارا ہندوستانی روپیہ بھی کچھ وزن رکھتا ہے۔

پھر ہم وہاں سے باہر نکلے تو مقامی سفر کے لیے جس کمپنی سے ہمارا معاملہ ہوا تھا ان کا ایک نمائندہ ہم کو لینے کے لیے ایئر پورٹ پر آچکا تھا، ہم سب لوگ گاڑی میں سوار ہوئے اور ایک ہوٹل پر پہنچے، وہاں جا کر ناشتہ کیا، ناشتہ کرنے کے بعد کچھ دیر آرام کیا اور آرام کے بعد یہ مشورہ ہوا کہ آج کن کن جگہوں کی زیارت کے لیے جانا ہے؟

یہ پہلا دن ہے، اتوار: ۳۰ر شوال، مطابق: ۱۱ر اگست۔

قارئین حضرات پانچ دنوں کی ترتیب سے سمجھتے جائیں تو سمجھنا آسان ہوگا؛ کیوں کہ سنیچر کی شام کو ہماری یہاں سے روانگی ہوئی تھی اور اتوار: ۱۱ر اگست کو علی الصبح ہم تاشقند پہنچے۔

شاش (تاشقند)

وہاں ایک بات سن کر ہم کو حیرانی بھی ہوئی اور ایک نئی بات ہمارے علم میں آئی کہ ہم جو آج تک اپنی کتابوں میں سنتے رہتے ہیں ''شاش'' صاحبِ اصول الشاشی جو شاش کے رہنے والے تھے، یہ شاش تاشقند ہی کا پرانا نام ہے، قدیم زمانے میں اس کو شاش کہتے تھے، جہاز میں ایک رسالہ تھا، جس میں ازبکستان کے شہروں کا تعارف تھا، اس میں یہ بات پڑھنے میں آئی تھی اور آج اس کو تاشقند کہا جاتا ہے، یہ ازبکستان کی راجدھانی ہے، ہم وہاں پہنچے۔

حضرت امام

ہمارے سفر کا نظام جس کمپنی کے ذریعہ طے ہوا تھا اس کے ناظم بھائی عبد الرحمٰن ہے، جو وہاں کے بڑے مال دار بھی ہے اور خاصی سیاسی دسترس بھی ان کو حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل اور ان کے توسط سے ہمارے بہت سارے کام آسان ہو گئے، انھوں نے کہا کہ: آج کی زیارت کے لیے ہم کو سب سے پہلے ''حضرت امام'' جانا ہے۔

سفر میں جانے سے پہلے حضرت مولانا ذوالفقار صاحب کی کتاب ''لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند'' پڑھی ہوئی تھی اور Google کے ذریعہ بھی ان تمام جگہوں کی معلومات ہم پہلے ہی حاصل کر چکے تھے؛ اس لیے کچھ کچھ معلومات اجمالی طور پر ہمارے ذہن میں موجود تھیں۔

یہاں ایک بنیادی بات پھر میں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ ازبکستان ان پندرہ ملکوں میں سے ایک ملک ہے جن کو روس نے ظالمانہ اور جابرانہ طور پر قبضے میں لے لیا تھا اور کمیونسٹوں کی حکومت وہاں سالہا سال تک رہی، تقریباً ۳۲ر سال تک کمیونسٹوں نے ان ملکوں کو غلام بنائے رکھا۔

مساجد و مدارس کی بے حرمتی

جب ان ملکوں میں کمیونزم آیا تو اس نے سب سے پہلے اسلام کو مٹانے کی زبردست محنت کی، اسی محنت کا ایک حصہ یہ تھا کہ انھوں نے ان پندرہ ملکوں میں جن

میں ازبکستان بھی آتا ہے، تاجکستان بھی آتا ہے، وہاں کی مسجدوں کے ساتھ بہت بے حرمتی کا برتاؤ کیا۔

وہاں جا کر ہم لوگوں نے سنا کہ یہاں کی مساجد میں روسیوں نے گھوڑے اور گدھے باندھنا شروع کر دیے تھے، مساجد کو اصطبل بنا دیا، بہت سی مسجدوں کو انھوں نے ویئر ہاؤس (گودام) بنا دیا، بہت سی مسجدوں پر باقاعدہ منزلیں چڑھا دی گئیں، دوسرا فلور، تیسرا فلور بنا دیا؛ تا کہ مسجد کی شناخت و پہچان ہی باقی نہ رہے اور بہت سی مساجد کو رہائش گاہوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

مدرسے سب کے سب بند کر دیے گئے، کچھ مدارس اسکولوں میں تبدیل کر دیے گئے، قرآنِ مجید کی تعلیم پر پابندی لگا دی گئی، غرض کہ جتنی اسلامی چیزیں ہو سکتی ہیں کمیونسٹوں نے ان پر سختی کے ساتھ پابندی لگا دی تھی۔

احاطۂ حضرت امام

ہم نے پوچھا کہ: ہم جو یہ حضرت امام جا رہے ہیں، اس کے متعلق کچھ مختصر بات ہمارے سامنے آجائے۔

انھوں نے کہا: حضرت امام کو Al Imam Complex بھی کہا جاتا ہے۔

جب ہم وہاں پہنچے تو ہم کو بتلایا گیا کہ اس ملک میں دستور یہ ہے کہ جہاں مسجد ہو اور ساتھ میں کسی بڑے بزرگ کی قبر بھی ہو تو اس کو لوگ ''حضرت امام'' کہتے ہیں اور انگریزی میں ''Al Imam Complex'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا احاطہ ہے، تقریباً ہمارے جامعہ

ڈابھیل کے احاطہ سے دو تین گنا بڑا وہ احاطہ تھا اور اس احاطے میں چار الگ الگ عمارتیں تھیں:

ایک عمارت تھی جس میں ''حضرت قفال شاشیؒ'' کا مزار تھا۔

دوسری عمارت میں ''بیوی خانم'' کی مسجد ہے۔

تیسری عمارت میں ''مدرسہ بارہ خان'' ہے۔

چوتھی عمارت میں ''مصحفِ عثمانی'' رکھا ہوا ہے۔

اب ان چاروں عمارتوں کی قدرے تفصیل آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

حضرت قفال شاشیؒ

ہم سب سے پہلے حضرت قفال شاشیؒ کے مزار والی عمارت کے احاطے میں داخل ہوئے، حضرت قفال شاشیؒ کے متعلق مشہور ہے کہ ملک ازبکستان میں مذہبِ اسلام ان کی محنتوں سے عام ہوا ہے، ویسے تو پہلی صدی ہجری میں ہی اسلام اس ملک میں پہنچ چکا تھا، آگے جب حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آئے گا تو میں وہاں بتلاؤں گا کہ حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ یہ دو بزرگ ہیں، جن کی برکت سے پہلی صدی ہجری میں اسلام اس سرزمین میں پہنچا، بعد میں حضرت قفال شاشیؒ کی محنت سے اسلام وسیع پیمانے پر پھیلا۔

کہتے ہیں کہ: ان کو اللہ تعالیٰ نے افہام وتفہیم کا بڑا اعلیٰ ملکہ عطا فرمایا تھا، اس نعمت سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے لوگوں کو اسلام کے قریب لانے کا کارنامہ انجام دیا۔

حسنِ اخلاق کی وجہ سے ایک مجوسی کا قبولِ اسلام

قفال شاشیؒ کے متعلق وہاں ایک عجیب واقعہ سننے میں آیا کہ: جب وہ چودہ برس کے تھے تو اس وقت پورے ازبکستان میں مجوسی مذہب عام تھا، مجوسی مذہب کا بول بالا تھا، ان کا ایک پڑوسی بھی مجوسی تھا، اس کے باڑے میں انگور کی ایک بیل تھی، اس بیل کا کچھ حصہ حضرت قفال شاشیؒ کے باڑے میں بھی آتا تھا، اس بیل پر جو انگور لگے تھے، اس میں سے چند انگور انھوں نے توڑ کر کھا لیے، بعد میں حضرتؒ کو یہ احساس ہوا کہ میں نے پڑوسی کی اجازت کے بغیر یہ انگور کھائے ہیں تو فوراً پڑوسی کے یہاں گئے اور ان سے معافی مانگی اور معذرت چاہی اور کہا کہ: جو قیمت طے کریں گے میں وہ قیمت آپ کو دینے کے لیے تیار ہوں، وہ پڑوسی مجوسی تھا، اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور عام قیمت سے کئی گنا زیادہ بڑی قیمت حضرتؒ سے مانگی، حضرتؒ نے انگور کھانے کی یہ مہنگی قیمت چودہ سال کی عمر میں خوشی خوشی چکا دی۔

یہ دیکھ کر اس مجوسی کی بیوی کہنے لگی کہ: دیکھو! ایک مسلمان چودہ سال کا لڑکا ہے، اس کا مذہب اس کو کہتا ہے کہ پڑوسی کے انگور بغیر اجازت کے کھا لیے تو اس کی قیمت ادا کرو اور تم نے اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر انگور کی اتنی بڑی قیمت اس سے وصول کی اور اس بچے نے خوشی خوشی انگور کی قیمت ادا کر دی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ یقیناً اس بچے کا مذہب صحیح ہے۔

اس واقعے نے اس مجوسی کی بیوی کے دل پر بڑا گہرا اثر ڈالا اور وہ سب سے پہلے مسلمان ہوئی اور اس کے ساتھ اس کا شوہر بھی اسلام میں داخل ہوا، پھر بعد میں

حضرت قفال شاشیؒ کی برکت سے پورے ملک میں اسلام پھیلنا شروع ہوا۔

اس سے کتنا اچھا درس ہم کو ملتا ہے کہ دوسرے کی چیز بغیر اجازت استعمال نہ کریں۔ دیکھیے ! ایک مسلمان کے اخلاق ہزاروں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بن گئے۔

ہم ان کے مزار پر حاضر ہوئے، ایصالِ ثواب و دعائے مغفرت کی اور بھی بہت سارے وہاں کے علما اور مفتیان کے مزارات اس احاطے میں موجود تھے، سبھی کے لیے ایصالِ ثواب کی سعادت حاصل ہوئی۔

طلبہ سے ملاقات

حضرت قفال شاشیؒ کے مزار کے باہر بہترین ہری ہری گھاس میں ہم ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دو ازبک گورے چٹے نوجوان آ گئے، انھوں نے ہم کو بتلایا کہ: ہم یہاں کہ مدرسے کے طالبِ علم ہیں۔

گفتگو کے بعد پتہ چلا کہ وہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے واقف تھے، اس میں سے ایک نوجوان نے بتلایا کہ: میرے ابا نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی نسبت سے ہی میرا نام ولی اللہ رکھا ہے۔

بخاری شریف اور مسلم شریف کو دیکھنے کی تڑپ

ان دونوں میں سے ایک کو کچھ عربی آتی تھی، اس سے بات ہوئی، اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا:

شیخ ! میں یہ چاہتا ہوں کہ میں صحاحِ ستہ: بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی

شریف وغیرہ خریدوں، آپ پتہ بتلائے کہ یہ کتابیں کہاں مل سکتی ہیں؟

میں نے پوچھا: بھائی! آپ کے ملک کے کتب خانوں میں یہ کتابیں نہیں ملتیں؟

اس نوجوان نے بہت افسوس کے ساتھ مجھ کو یہ بات بتلائی کہ: ہمارے ملک کے کتب خانوں میں ہمارے لیے صحاحِ ستہ خریدنے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

اس نے بتلایا کہ: یہاں ''مطبوعات'' کے نام سے آپ کو جابجا دکانیں نظر آئے گی، یہ ہمارے یہاں کے کتب خانے ہیں؛ لیکن وہاں پر ایک بھی اسلامی کتاب آپ کو نظر نہیں آئے گی، صحاحِ ستہ خریدنے اور دیکھنے کے لیے ہم ترستے ہیں اور واقعۃً بعد میں ہم نے وہاں کے مختلف شہروں میں ''المطبوعات'' نامی بہت ساری دکانیں دیکھی، یہ سب بک اسٹال تھے؛ لیکن اس میں ایک بھی اسلامی کتاب فروخت نہیں ہوتی تھی۔

جب ان نوجوانوں نے یہ بات کہی تو سن کر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، رونا آ گیا، یا اللہ! جس سرزمین پر یہ اہم اہم کتابیں لکھی گئیں، جس سرزمین پر یہ کتابیں ترتیب دی گئیں، آج اس سرزمین کے باشندے ان کتابوں کو دیکھنے اور خریدنے کے لیے ترس رہے ہیں۔

یہ نوجوان طلبہ پورے قافلے کی اسلامی وضع قطع دیکھ کر بہت متأثر تھے اور خصوصاً حضرت دامت برکاتہم کا نورانی چہرہ دیکھ کر وہ لڑکے قریب آ کر بیٹھ گئے، علمی بات چیت کرنے لگے۔

اس میں سے ایک نوجوان نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے درخواست کی کہ: حضرت! میرے اور میرے ساتھی کے لیے علم وعمل کی دعا کر دیجیے۔

حضرت دامت برکاتہم نے اس درخت کے نیچے بیٹھے بیٹھے ان نوجوانوں کے لیے علم وعمل، صلاح وتقویٰ کی دعا کی۔ سب حضرات اس دعا میں شامل ہوئے۔

مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کامل یقین ہے کہ ان بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے ازبکستان میں ان نوجوانوں کے ذریعہ کبھی نہ کبھی دینی انقلاب آئے گا، انشاء اللہ۔

مدرسہ بارہ خان

پھر ہم دوسری عمارت کی طرف مدرسہ بارہ خان کو دیکھنے کے لیے بڑھے، یہ وہ مدرسہ ہے جو کسی زمانے میں ازبکستان کا معروف ومشہور مدرسہ رہا ہے؛ لیکن مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑ رہی ہے کہ آج وہ مدرسہ Shopping Mall میں تبدیل ہو چکا ہے، پورے مدرسے کو بازار میں تبدیل کر دیا گیا ہے، بہترین چھوٹے چھوٹے کمرے جو کسی وقت طلبہ کی رہائش کے لیے رہے ہوں گے، جس میں قدرتی روشنی کا بھی انتظام ہے؛ تاکہ طلبہ یکسوئی کے ساتھ حصولِ علم کر سکے؛ لیکن آج ان تمام کمروں میں ازبکستان کا جو مشہور ہینڈی کرافٹ (ہاتھ سے بننے والی چیزیں) ہیں اس کی دکانیں لگی ہوئی تھیں۔

اس میں سے ایک دکان میں ہم گئے تو انھوں نے ایک حیرت انگیز چیز ہم کو دکھائی کہ ایک چھوٹی سی لکڑی کی بنی ہوئی چیز ہے اور اس سے مختلف دس چیزیں بنتی ہیں، قرآنِ کریم کا رِحال بھی بن جاتا ہے اور کتاب رکھنے کا ظرف بھی بن جاتا ہے،

ایک ہی چیز کوالگ الگ طور پراستعمال کیا جاسکتا ہے،اس کوموبائل کے اسٹینڈ کے طور پراستعمال کیا جاسکتا ہے،ہم اس کوحیرت کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے،حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کشمیری زیدلطفہ نے فرمایا: یہ ایسی ملٹی پل استعمال میں آنے والی چیز ہے کہ جس ذہنیت کا آدمی ہوگا ویسااس کا استعمال ہوگا۔

مسجدِ بیوی خانم

ایک تیسری عمارت جوسامنے تھی،یہ ایک عالیشان مسجد ہے،اس کو''مسجد بیوی خانم'' کہتے ہیں،تیمورلنگ کی ایک بیوی تھی،اس کے نام سے یہ مسجد بنی ہےاور ہمیں وہاں بتلایا گیا کہ اس مسجد کی تعمیر میں تیمورلنگ نے ہندوستان سے ننانوے ہاتھیوں کو بھیجا تھااور ننانوے ہاتھیوں کی خدمت اس مسجد کی تعمیر میں لگی ہے،بڑی عالیشان،بڑی خوب صورت مسجد ہے،اس مسجد کے ایک ایک ستون کودیکھا تو تقریباً ۶۰،۷۰/فٹ اونچے؛لیکن عجیب بات یہ تھی کہ سب کے سب ستون ایک درخت کی ایک لکڑی سے بنے ہوئے تھے،درمیان میں کہیں کوئی جوڑنہیں اوراس میں بہترین نقش ونگار سے''اللہ، لاالہ الا اللہ''وغیرہ کندہ کیا گیا تھا۔

مسجد کا دروازہ بھی بڑا عالیشان اورخوب صورت تھا،مسجد کے باہر دائیں بائیں آسمان کوچھونے والے اونچے خوب صورت مینارے ہیں،ہم دیکھ کرسوچ رہے تھے کہ اس دور میں آج کی طرح آلات نہیں تھے،اس دور میں اتنے اونچے مینارے انسان نے کیسے بنائے ہوں گے؟

ہم اس مسجد میں داخل ہوئے تو اس قدر عالیشان مسجد دیکھ کرحیران رہ گئے،

آپ اس کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ہمارے جامعہ ڈابھیل کی جو مسجد ہے، اس سے بڑی یا قریب اتنی ہی بڑی وہ مسجد تھی؛ لیکن بہت دکھ کی بات سننے کو ملی کہ اتنی عالیشان مسجد میں صرف جمعہ کے دن نماز ہوتی ہے، پورا ہفتہ اس مسجد میں کوئی نماز نہیں ہوتی۔

مصحفِ عثمانی

ایک اور عمارت سامنے تھی، اگر چہ وہ اتوار کا دن تھا اس لیے وہ عمارت بند تھی، اس عمارت میں ایک مصحف مبارک رکھا ہوا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب قرآنِ مجید کو جمع کیا گیا اور سات نسخے تیار کیے گئے تھے، اس میں سے ایک نسخہ جو بعد میں ماسکو کے میوزیم میں تھا وہ نسخہ اس عمارت میں رکھا ہوا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمعِ قرآن

قرآنِ مجید کو حضرات صحابہؓ کے مشورے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ یک جا جمع کر کے اس کے متعدد نسخے تیار کروانے کا اہم کارنامہ انجام دیا تھا۔

عام طور سے مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانچ مصحف تیار کروائے تھے؛ لیکن ابو حاتم سجستانیؒ کا ارشاد ہے کہ کل سات نسخے تیار کیے گئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا اور ایک مدینہ منورہ میں محفوظ رکھا گیا، اسی میں تلاوت کرتے ہوئے آپ شہید

ہوئے اورآیتِ کریمہ "فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ" پرپہنچ کرآپ کی شہادت ہوئی۔

اس نسخہ کودیکھنے کی کارگزاری جمعرات کے دن کی کارگزاری میں ان شاءاللہ آرہی ہے۔

مصحفِ عثمانی تاشقند کس طرح آیا؟

مصحفِ عثمانی کا یہ نسخہ تاشقند کس طرح پہنچا؟اس کی کارگزاری محترم ڈاکٹر حمیداللہ صاحب سے سنیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے سے آج تک قرآنِ مجید کے جو نسخے ہمارے پاس نسلاً بعدنسل چلے آرہے ہیں وہ پہلی صدی ہجری سے لےکرآج تک وہی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو چار یا سات قلمی نسخے مختلف مقامات پر بھیجے،ان میں سے کچھ اب تک محفوظ سمجھے جاتے ہیں،ثبوت کوئی نہیں؛لیکن یہ روایت ہے کہ یہ انھیں نسخوں میں سے ہے۔

ایک نسخہ آج کل روس کے شہرتاشقند میں ہے،وہاں کیسے پہنچا؟

اس کا قصہ یہ ہے کہ یہ نسخہ پہلے دمشق میں پایا جاتا تھاجو بنی امیہ کا صدرمقام تھا، جب دمشق کوتیمورلنگ نے فتح کیاتو وہاں کے مالِ غنیمت میں سب سے زیادہ قیمتی چیزکے طور پرحضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قرآنِ مجید کا نسخہ پایا،اسے لیااوراپنے ساتھ پایۂ تخت سمرقند لایا اور وہاں اسے محفوظ رکھا،یہ نسخہ سمرقند میں رہا،تا آں کہ گذشتہ صدی میں روسیوں نے سمرقندکوفتح کرلیا،فتح کرنے کے بعداس نسخے کو-جس کی بڑی

شہرت تھی- روسی کمانڈر اِن چیف نے وہاں سے لے کر سینٹ پیٹرس برگ منتقل کر دیا جو آج کل لینن گراڈ کہلاتا ہے۔

روسی مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ: اس نسخے کو سمرقند کے حاکم نے روسی کمانڈر کے ہاتھ پچیس یا پچاس روپیے میں فروخت کر دیا تھا، ہم نے اسے چرایا نہیں؛ بلکہ خرید کر لائے ہیں۔

بہرحال! پہلی جنگِ عظیم کے اختتام تک وہ نسخہ لینن گراڈ میں رہا، اس کے بعد جیسا کہ آپ کو معلوم ہے زار کی حکومت ختم ہوگئی اور کمیونسٹوں نے حکومت پر قبضہ کر لیا، اس وقت بہت سے روسی باشندے- جو کمیونسٹ حکومت کے ماتحت رہنا نہیں چاہتے تھے- روس چھوڑ کر دنیا میں تتر بتر ہو گئے، ان میں سے ایک شخص پیرس بھی آئے جو جنرل علی اکبر توپچی کے نام سے مشہور تھے، میں خود ان سے مل چکا ہوں، انھوں نے اس کا قصہ مجھے سنایا۔

کہنے لگے کہ: جب زار کو قتل کیا گیا، اس وقت میں فوج میں ایک بڑے افسر کی حیثیت سے سینٹ پیٹرس برگ ہی میں موجود تھا، میں نے ایک کمانڈو (فوجی دستہ) بھیجا کہ جا کر شاہی محل پر قبضہ کرو اور شاہی کتب خانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جو قرآنِ مجید کا نسخہ ہے، تلاش کر کے اسے لے آؤ۔

کمانڈر گیا اور وہ قرآن مجید لے آیا، انھوں نے ایک فوجی کی حیثیت سے ریلوے اسٹیشن پر جا کر وہاں کے اسٹیشن ماسٹر سے کہا کہ: مجھے ریل کا ایک انجن درکار ہے، اس انجن میں اس قرآن کو رکھا اور اپنے آدمیوں کی نگرانی میں انجن ڈرائیور کو حکم

دیا کہ جس قدر تیزی سے جاسکتے ہو اس انجن کو ترکستان لے آؤ، چنانچہ قرآن مجید کا یہ نسخہ اس طرح ترکستان پہنچ گیا۔

اس کی اطلاع کمیونسٹ فوجی کمانڈروں کو چند گھنٹے بعد ملی، چنانچہ اس کے تعاقب میں دوسرا انجن اور کچھ افسر روانہ کیے گئے؛ لیکن وہ انجن ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور اس طرح یہ نسخہ تاشقند پہنچ گیا، جب کمیونسٹ دور میں تاشقند پر روسیوں نے دوبارہ قبضہ کرلیا تو اس نسخے کو وہاں سے لینن گراڈ منتقل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی، چنانچہ وہ نسخہ اب تک تاشقند میں محفوظ ہے۔

زار کے زمانے میں اس قرآنِ مجید کا فوٹو لے کر ایک گز لمبی تقطیع پر کل پچاس نسخے چھاپے گئے تھے، اس میں سے چند نسخے میرے علم میں ہیں اور دنیا میں محفوظ ہیں:

ایک امریکہ میں ہے۔

ایک انگلستان میں ہے۔

ایک نسخہ میں نے کابل میں دیکھا تھا۔

ایک مصر کے کتب خانے میں پایا جاتا ہے۔

میرے پاس اس کی مائیکروفلم بھی ہے، یہ ایک نسخہ ہے۔

دوسرا نسخہ استنبول میں توپ قاپی سرائے میوزیم میں موجود ہے، جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، میں نے خود دیکھا ہے کہ اس میں سورۂ بقرہ کی آیت "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ" پر سرخ دھبے پائے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون ہے؛ کیوں کہ وہ جس وقت تلاوت کر رہے تھے اس وقت

انھیں شہید کر دیا گیا تھا۔

نوٹ: استنبول کے توپ کاپی میں موجود اس نسخے کی زیارت کی سعادت الحمدللہ! راقم الحروف -محمود غفرلہ- کو بھی حاصل ہوئی ہے۔

جب حضرت دامت برکاتہم کے ساتھ ترکی کا پہلا سفر ہوا تھا تب اس کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی تھی، ترکی کے پہلے اور دوسرے سفر کی کارگزاری بھی ان شاء اللہ عنقریب منظرِ عام پر آئے گی، آج کل ترکی حکومت نے اس کا عکس لے کر اس کو ہو بہو شائع کیا ہے، ویسا مطبوعہ نسخہ ساؤتھ افریقہ میں ''میاس فارم'' میں دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ (نوٹ مکمل ہوئی)

تیسرا نسخہ انڈیا آفس لائبریری لنڈن میں ہے، اس کا فوٹو میرے پاس ہے، اس پر سرکاری مہریں ہیں اور لکھا ہے کہ: یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نسخۂ قرآن ہے۔

ان نسخوں کے خط اور تقطیع میں کوئی فرق نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخے ایک دوسرے کے ہم عصر ہیں، یہ نسخے جھلی پر لکھے گئے ہیں، کاغذ پر نہیں ہیں، ممکن ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نسخے ہوں یا اس زمانے میں یا اس کے کچھ ہی عرصے بعد کے لکھوائے ہوئے نسخے ہوں۔ بہر حال! یہ بات ہمارے لیے قابلِ فخر اور باعثِ اطمینان ہے کہ ان نسخوں میں اور موجودہ مستعملہ نسخوں میں، باہم کہیں بھی کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ (خطباتِ بھاولپور: ۴۰،۴۱)

نئی تعمیر شدہ مسجد میں نمازِ ظہر اور وہاں کی خصوصیات

اسی احاطے میں ایک طرف پر ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے، جس میں

روزانہ پانچوں نمازیں باجماعت ادا کی جاتی ہیں، ابھی چندسال پہلے بنی ہوئی ہے، ہم اس مسجد میں ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے گئے، میرا وضو نہیں تھا تو میں اور دوسرے ساتھی مسجد کے نچلے حصے میں وضوخانے میں گئے، وضوخانے سے آنے کے بعد حضرت دامت برکاتہم کو کارگزاری سنائی کہ حضرت! وضوخانہ بڑا عجیب ہے!

نیچے والا فرشی استنجاخانہ بھی ایک مستقل نعمت ہے

فرمایا: وضوخانے میں کیا بات دیکھی؟

میں نے کہا: وضوخانے میں پہلی بات تو یہ دیکھی کہ یہاں جتنے استنجاخانے بنے ہوئے ہیں وہ سب ہندوستانی انداز کے بنے ہوئے ہیں۔ بیرون ممالک میں یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہوا کرتی ہے، اس کو آپ لوگ ذہن میں رکھیے، بعض مرتبہ ہندوستانی طرز کا استنجاخانہ تلاش کرنے کے لیے بہت دور دور تک جانا پڑتا ہے۔

ہندوستانی انداز کے استنجاخانے جس میں اکڑو بیٹھ کر فراغت ہوتی ہے یہ بہت ہی عمدہ طریقہ ہے، اس میں نجاست پوری باہر آتی ہے، استنجا میں بیٹھنے کا جو مسنون طریقہ ہے اس کا بھی لحاظ ہوتا ہے اور استنجا بہت آسانی سے ہو جاتا ہے اور طہارت پوری طرح حاصل ہوتی ہے۔

میرے مخلص دوست حاجی اسماعیل صاحب -جو بین الاقوامی آرکیٹیکٹ ہے، دنیا کے کئی ممالک میں مساجد، مدارس اور دوسری عمارتوں کے نقشے انھوں نے بنائے ہیں، ملاوی میں مستقل مقیم ہیں، اصلاً گجرات ہی کے رہنے والے ہیں اور بڑی فنی مہارت کے مالک ہیں، انھوں- نے خود تعمیری فن کے ماہرین اور اطبا کی بات مجھے

بتلائی کہ اس طرح کے فرشی بیت الخلاء استعمال کرنے سے کئی امراض سے حفاظت ہوتی ہے اور اس میں صحت اور تندرستی بھی ہے۔

افسوس کہ! خود مسلمان اپنے گھروں میں اس کا اہتمام نہیں کرتے، معذوروں کے لیے ایک دو اونچے بیت الخلاء بنا لیے جائیں، باقی اس طرح فرشی بیت الخلاء کا نظم بھی ضرور ہونا چاہیے۔

علما توجہ دیں

افریقی ملکوں کے پہلے سفر میں ملاوی کے ایک شہر میں ایک بڑے عالم صاحب کے مدرسے میں پروگرام تھا، پروگرام اور عشا کی نماز سے فراغت کے بعد مدرسے سے کچھ فاصلے پر اس عالم صاحب کے مکان پر کھانے کے لیے جانا ہوا، حضرت مدظلہ کو استنجا کا تقاضا تھا، پتہ چلا کہ ان کے گھر میں ایک بھی فرشی بیت الخلا نہیں ہے، تو حضرت نے ناراضگی کے اظہار کے ساتھ فرمایا: علما بھی گھر میں فرشی بیت الخلاء نہیں بناتے، تاکید فرمائی کہ گھروں میں کم از کم ایک فرشی بیت الخلاء ضرور بنواؤ، پھر ان کے مکان سے دوبارہ مدرسہ تشریف لائے اور فرشی استنجا خانے میں فراغت کے بعد پھر گھر جا کر کھانا تناول فرمایا۔

مساجد کے طہارت خانے

الغرض! میں نے حضرت دامت برکاتہم سے عرض کیا کہ: حضرت دوسری بات یہ ہے کہ ہر بیت الخلا میں ایئر کنڈیشن بھی لگا ہوا ہے۔

وضو خانے میں ہر ہر نل پر گرم پانی کا بھی انتظام ہے اور ٹھنڈے پانی کا بھی اور وضو خانہ نہایت صاف ستھرا ہے، وضو خانے کے دروازے پر جہاں آپ داخل ہوں گے، وہاں پر ٹشو پیپر اور استنجے کا ایک خاص قسم کا کاغذ ہوتا ہے، دونوں میں سے جو چاہو ہر ایک کو دیا جاتا ہے؛ تا کہ آپ کامل طہارت حاصل کر سکیں، ساتھ ہی بیت الخلا میں پانی کا معقول انتظام ہے۔

ماشاء اللہ! عمدہ انتظام تھا، نہایت صاف شفاف بیت الخلا کی لمبی قطار بنی ہوئی ہیں، جب کہ وضو کرنے کے لیے نلوں کی الگ قطار، بیٹھنے کے لیے اونچی اونچی سیٹیں کہ آدمی آرام سے ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ سکے۔

ایک آدمی وہاں پر تولیہ اور ٹشو پیپر دینے کے لیے مقرر ہے، کوئی ان سے ہاتھ منہ پونچھنے کے لیے لیتا ہے، تو کوئی پیر کے لیے لیتا ہے، وہاں پر پیر کے لیے بھی الگ سے ایک تولیہ دیا جاتا ہے، پھر مستعمل تولیہ اس کو واپس دیتے ہیں تو وہ اس کو الگ ڈبے میں جمع کر لیتا ہے۔

نماز باجماعت کا خاص انداز

وضو سے فراغت کے بعد ہم جماعت خانے میں آئے، تھوڑی دیر میں مسجد شریف بھر گئی؛ لیکن نمازیوں کی اکثریت بوڑھوں کی تھی؛ بلکہ تمام ہی بوڑھے تھے، سنتیں پڑھ کر سب لوگ اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے رہے، نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے، ہمارے یہاں کی طرح بار بار گھڑی کو دیکھتے رہنا یا نماز سے پہلے امام صاحب کے انتظار میں راہ تکتے رہنے کی عادت نہیں ہے، امام

صاحب تشریف لائے، الماری کھولی، اس میں سے عمامہ نکال کر سر پر رکھا، ایک چوغہ نکال کر اپنے شرٹ پینٹ پر پہن لیا، داڑھی منڈی ہوئی، بالکل کلین شیو (Clean shave) مصلے پر تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔

نماز مکمل ہوجانے کے بعد امام صاحب نے بالجہر دعا کروائی، قرآنِ پاک میں وارد دعائیں پڑھیں، لوگوں نے سنتیں ادا کیں، امام صاحب نے آگے ہی سنتیں ادا کرنے کے بعد لوگوں کی طرف رخ کرکے ایک بار بلند آواز سے "سُبْحَانَ اللّٰه" کہا، سبھی لوگ آہستہ آواز سے ۳۳ ؍مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰـه پڑھتے رہے، پھر امام صاحب نے بلند آواز سے "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہا، سب حضرات اپنی اپنی تسبیح ۳۳ ؍مرتبہ آہستہ آواز سے پڑھتے رہے، پھر امام صاحب نے ایک بار زور سے "اَللّٰهُ أَكْبَر" کہا تو سبھی یہی پڑھتے رہے، تینتیس مرتبہ اس کو پڑھنے کے بعد اخیر میں تسبیح کو مکمل کرتے ہوئے ایک بار "لَآ إِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" کہا، اس کے بعد درود شریف پڑھ کر امام صاحب نے دعا کی۔

نماز کے بعد پڑھنے کا ایک عمل، فُقرا والی تسبیح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز کے بعد "۳۳ ؍مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰه، ۳۳ ؍مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰه، ۳۳ ؍مرتبہ اَللّٰـهُ أَكْبَر" پڑھے، بس یہ کل ۹۹ مرتبہ ہوا اور سوویں مرتبہ میں "لَآ إِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" پڑھے تو اس کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، چاہے سمندر کی جھاگ

کے برابر ہوں۔ (مسلم شریف:۲۱۹/۱)

مساجد میں قرأت

پھر ایک اور چیز جو پورے ازبکستان میں دیکھی اور اس سے پہلے استنبول کے سفر میں بھی دیکھنے میں آئی تھی کہ نماز کے بعد مجمع بیٹھا رہتا ہے اور امام صاحب یا مؤذن صاحب قرآنِ مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، بہترین مصری انداز میں چند آیتیں پڑھی جاتی ہیں، پورا مجمع دھیان سے سنتا ہے، پانچ سے دس منٹ تک تلاوت سننے کے بعد مجمع باہر نکلنا شروع ہوا اور ہم لوگ بھی مسجد کے باہر نکل آئے، تو امام صاحب کی اور دوسرے لوگوں کی ملاقات ہوئی۔

نماز کے اوقات کا بورڈ

مسجد کے باہر ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر نمازوں کے اوقات لکھے ہوئے تھے، اوقات انگریزی ہندسوں میں ہی درج تھے؛ لیکن نمازوں کے نام کچھ اس انداز سے لکھے ہوئے تھے جو انگریزی کے حروف تو تھے؛ لیکن ملانے سے کوئی لفظ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

ایک صاحب سے معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ: یہ اس رسم الخط میں ازبک زبان میں نماز کے نام ہیں؛ لیکن اصل عربی اور فارسی کا رسم الخط جو اس زبان کا تھا اس کو ختم کر کے نیا رسم الخط انگریزی کا جاری کر دیا گیا ہے، یہاں کی عام بات چیت مقامی زبان میں ہے، جیسے ان کی عادت پہلے تھی؛ لیکن لکھائی بدل دی گئی اور رسم الخط

بگاڑ دیا گیا ہے، روسیوں کے تسلط کے زمانے میں دوسرا ایک خط روسی جاری کیا گیا، جس سے اب یہ لوگ بہت نفرت کرتے ہیں؛ مگر ساٹھ ستر سال تک چلائے گئے اور رواج دیے گئے اس نظام کو یکسر یہ لوگ بدل نہیں سکتے ہیں۔

زبان کا اثر تہذیب پر

زبان کا بڑا اثر تہذیب پر پڑتا ہے؛ اس لیے جو قوم اپنی مذہبی، علاقائی، آبائی زبان کو باقی رکھتی ہے تو اس قوم کا تعلق اپنی تہذیب سے باقی رہتا ہے؛ لیکن جب زبان بدلنے لگتی ہے تو تہذیب بھی بدلنے لگتی ہے۔

مختلف ممالک کے اسفار میں یہ بات خاص طور سے محسوس کی کہ جس قوم نے اپنی اصلی زبان باقی رکھی، وہ اپنی اصلی تہذیب پر باقی ہے اور جن کی زبانیں بدل گئیں، تو ان کو دیکھ کر اندازہ لگانا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کا اصل تعلق کہاں سے ہے؟ مختلف ممالک میں ہمارے عربی بولنے والے بھائیوں سے ملاقات ہوتی ہے وہ اپنی عربی زبان بولتے ہیں تو ان میں عربوں جیسی زندگی اور اسلامی اثرات نمایاں نظر آئے۔ اگرچہ ضرورت کے پیشِ نظر جہاں جا کر بس گئے وہاں کی زبان بھی سیکھنا ہے؛ لیکن گھروں میں اور آپس میں تو اپنی اصلی زبان کو باقی رکھنا چاہیے۔

ہمارے ہندوستان سے اور خاص کر گجرات سے جانے والے ہمارے دینی بھائیوں کے گھروں میں گجراتی زبان یا اردو زبان بولی جاتی ہے تو ان کا وطن سے رشتہ باقی رہتا ہے، رشتے داروں سے بھی وہ جڑے رہتے ہیں اور اصلی تہذیب بھی باقی رہتی ہے، جس کی وجہ سے بہت ساری خرابیوں سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ کا ملفوظ

ہمارے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ کا ملفوظ نقل فرمایا کرتے ہیں کہ: ساؤتھ افریقہ میں ایک سفر کے موقع پر حضرت قاری صاحبؒ خوب تاکید سے فرماتے تھے کہ گھروں میں گجراتی زبان باقی رکھو، اس کی برکت سے اپنی اصلی تہذیب باقی رہے گی۔

اپنی اصلی زبان کو باقی رکھنے کا فائدہ

اس اردو، گجراتی کو باقی رکھنے کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہندو پاک سے جانے والے اکابر علما سے استفادہ بھی آسان رہتا ہے اور ان کی صحبت کی برکت سے فتنوں سے بڑی حفاظت ہوتی ہے۔

اور منفی پہلو بھی دیکھنے میں آیا کہ جنھوں نے اپنی اصلی گجراتی یا اردو زبان گھروں میں باقی نہ رکھی، ان کے گھروں میں کھانے، پینے، رہن سہن، لباس وغیرہ کا انداز بھی انھیں جیسا ہوگیا ہے، جہاں جاکر وہ بس گئے ہیں اور وطن، رشتے داروں، خاندان اور اکابر سے بھی بے تعلقی ہوگئی۔

مدرسہ گوکل داس

آگے ہم تاشقند ہی میں ایک دوسری جگہ پر پہنچے، جس کا نام ''مدرسہ گوکل داس'' تھا، ہم سب کو یہ نام ہندوستانی انداز کا معلوم ہوا، بتایا گیا کہ پورے ملک میں صرف دو مدرسے ایسے ہیں جن میں اس وقت اسلامیات کی تعلیم ہوتی ہے، اس میں

سے ایک مدرسہ ہے ''مدرسہ گوگل داس'' اور دوسرا مدرسہ ''مدرسہ میر عرب'' جس کا تذکرہ آگے بخارا کے ذیل میں ان شاء اللہ آئے گا۔

چوں کہ شوال المکرّم کا مہینہ چل رہا تھا؛ اس لیے مدرسہ بند تھا؛ لیکن مدرسے کے نائب مدیر سے ہماری ملاقات ہوئی، انھوں نے بتلایا کہ: ماشاء اللہ ہمارے یہاں ''ہدایہ'' بھی پڑھائی جاتی ہے اور ''بخاری شریف'' بھی پڑھائی جاتی ہے۔

نصاب معلوم کرنے پر اندازہ ہوا کہ ۳۵/فیصد یہاں اسلامیات کی تعلیم ہوتی ہے، باقی اکثر عصری تعلیم ہوتی ہے، پھر بھی بڑی غنیمت ہے کہ نام رکھا گیا ہے کہ یہ دینی مدرسہ ہے اور ہدایہ و بخاری شریف کے نام سننے کو مل جاتے ہیں، ہم اس مدرسے کو دیکھنے کے بعد باہر نکلے۔

ہندوستانی مطعم

کافی دیر ہوگئی تھی اور ناشتہ کیے کافی وقت ہو گیا تھا، تقریباً شام کے ۴/بج رہے تھے، ہم لوگ کھانا کھانے کے لیے ہوٹل پہنچے، اس ہوٹل کا نام ''مہاراجہ ہوٹل'' تھا، ہوٹل کا یہ نام سن کر ہمارے دل میں خوشی ہوئی کہ یہ تو ہمارا ہندوستانی نام ہے، ہمارے سفر کے مقامی ناظم بھائی عبدالرحمٰن صاحب نے ہمارا دوپہر کا کھانا اسی ہوٹل میں طے کیا تھا۔

عجیب بات بتلاؤں! اس ہوٹل میں ہماری دعوت بھائی عبدالرحمٰن صاحب کی طرف سے تھی، ہم نے ان سے بہت اصرار کیا کہ ہم دہلی سے بہت سارا کھانا اپنے ساتھ لے کر چلے ہیں، ہم ہوٹل میں کھانا نہیں چاہتے؛ لیکن انھوں نے بہت

اصرار کیا کہ آج آپ کو ہماری دعوت کھانی ہی کھانی ہے۔

اصرار کی وجہ یہ تھی کہ کچھ تکلیف وافسوس کی باتیں ہیں جو زبان پر لانے سے بھی شرم محسوس کرتا ہوں کہ سفر سے پہلے ٹیلی فون پر ان سے بھائی ساجد کے جو مسلسل روابط ہو رہے تھے، تو انھوں نے ہمارے ساتھ کچھ ایسے انداز سے گفتگو کی کہ ہم لوگ حیران رہ گئے، ان ممالک میں سیاحت کی نیت سے جانے والوں کے جو غیر شرعی مطالبات ہوتے ہیں انھوں نے دوسروں پر قیاس کر کے ہمیں بھی ان مطالبات میں شامل کر لیا تھا، پھر جب ان کو بتلایا کہ یہ آنے والا قافلہ ہندوستانی علما اور مشائخین کا قافلہ ہے، پھر تو وہ بہت ہی ادب و اکرام کے انداز میں بات چیت کرنے لگے اور گفتگو کا انداز ہی بدل گیا۔

تاشقند میں پہلی دعوت

وہ بتا رہے تھے کہ: میں نے سوچ لیا تھا کہ جس دن آپ لوگ یہاں پہنچیں گے سب سے پہلے میں آپ لوگوں کی دعوت کروں گا اور انھوں نے دورانِ سفر بار بار اس کا تذکرہ کیا کہ میں علما، مشائخین کی میزبانی کر رہاں ہوں یہ میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہے اور آپ سے پہلے بہت سارے تفریحی گروپ آتے رہتے ہیں؛ لیکن میں نے کبھی کسی کی کھانے کی دعوت نہیں کی، سب سے اول آپ کی جماعت ہے کہ میں کھانے کی دعوت کر رہا ہوں؛ اس لیے ضرور قبول فرمالیں۔

حج وعمرہ کا احترام

ہم نے بہت کہا کہ: ہمارے ساتھ بہت سارا کھانا ہے، آپ بھی ہمارے

ساتھ کھالیں تو ان کو یہ محسوس ہوا کہ شاید ہم کو ان کے کھانے کے بارے میں شک ہوگا، تو بھائی عبدالرحمٰن نے اخیر میں ہم سے کہا کہ: میرے کھانے کے متعلق کوئی شک نہ کرو، میں الحمدللہ! عمرہ کر چکا ہوں۔

انھوں نے بتلایا کہ: ویسے تو ہمارے یہاں نوجوانوں کو حج وعمرہ کا ویزا نہیں ملتا، پورے ملک میں مشکل سے پانچ ہزار حاجیوں کا ویزا آتا ہے اور وہ بھی صرف بوڑھے لوگ ہی حج میں جا سکتے ہیں؛ لیکن چوں کہ میری حکومت میں بہت پہچان ہے اس لیے میں عمرہ کر چکا ہوں اور ہمارے یہاں جو حج اور عمرہ کر لے وہ آدمی بہت ہی باعزت، باکرامت سمجھا جاتا ہے؛ اس لیے میں آپ کو میرے عمرے کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ میری دعوت قبول کرنے سے انکار مت کرو، قبول کرلو، جب انھوں نے بہت اصرار کیا تو ہم ان کی دعوت پر ''مہاراجہ ہوٹل'' پر پہنچے۔

جس دن ہم دہلی سے چلے تھے اس دن ازبکستان Air Line میں اٹھائیس آدمیوں کا ایک قافلہ ہمارے ساتھ تھا، وہ سب ہندوستان کی ایک مشہور ٹریکٹر کمپنی کے Dealer لوگ تھے اور کمپنی نے اپنے مصارف پر ان کو وہ Tour کروائی تھی، اس میں ایک مسلمان بھی تھے، ہوائی جہاز میں ان سے کچھ گفت وشنید ہوتی رہتی تھی، جب ہم دوپہر کا کھانا کھانے ''ہوٹل مہاراجہ'' پہنچے تو وہ اٹھائیس آدمی بھی اس وقت اس ہوٹل میں کھانا کھانے آئے ہوئے تھے۔

وہاں ہمیں ہندوستانی انداز کا کھانا مل گیا، اس ہوٹل کے مالک ایک ازبک نوجوان تھے، انھوں نے اچھی عصری تعلیم حاصل کر رکھی تھی اور اس ہوٹل میں پکانے

والے صدر باورچی (Cheif Cook) ایک ہندوستانی پنجابی تھے، کھانے سے فارغ ہوئے اور چائے کہ محفل چل رہی تھی۔

امام ترمذیؒ اپنے وطن میں اجنبی

میں نے ہوٹل کے مالک اور صدر باورچی کے ساتھ کچھ بات چیت شروع کی، وہ مجھ سے پوچھنے لگے: آپ کہاں سے آئے؟

میں نے تفصیلات بتلائی۔

پھر مجھ سے پوچھنے لگے کہ: آگے آپ کا کیا پروگرام ہے؟

بڑی عجیب درد کی بات میں آپ کو بتلانے جارہا ہوں! میں نے ان سے کہا: آج اتوار کی شام کے جہاز سے ہم ترمذ جائیں گے۔

(اس لیے کہ ترمذ وہاں سے کافی دور ہے، تاشقند سے ہوائی جہاز میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگتا ہے)

یہ سن کر وہ ہوٹل کا مالک اور صدر باورچی بہت تعجب سے پوچھنے لگے: آپ ترمذ کیوں جارہے ہیں؟

جب یہ سوال اس نوجوان نے کیا تو میرے دل کو اس کے اس سوال نے ہلا دیا کہ آپ ترمذ کیوں جارہے ہیں؟

میں نے دل میں کہا: اے اللہ! جس سرزمین میں امام ترمذیؒ جیسے عالم باکمال انسان پیدا ہوئے اور جن کا علمی احسان پوری دنیا پر ہے، ہمارے ملک کے بہت سارے بچے امام ترمذیؒ سے واقف ہیں، آج ترمذ شہر جس ملک میں واقع ہے، اس

ملک کے ایک نوجوان کو معلوم نہیں کہ ترمذ شہر کیا ہے؟ اور یہ لوگ کیوں وہاں جانا چاہتے ہیں؟

واقعہ یہ ہے کہ آج کل ازبکستان کو تفریح گاہ بنا دیا گیا ہے، لوگ تفریح اور عیاشی کی نیت سے وہاں آتے ہیں، تو ان کی تفریح گاہ کی جو فہرست (List) ہے، اس میں کہیں ترمذ نہیں آتا؛ اس لیے ہمارے ہندوستان سے روانہ ہونے سے پہلے فون سے ازبکستان کے جن جن شہروں میں ہم جانا چاہتے تھے، ان شہروں کی تعیین میں بھی ہماری بھائی عبدالرحمٰن سے بہت بحث ہوئی کہ ''ہم لوگ یہاں نہیں جائیں گے، یہاں جائیں گے'' چوں کہ وہ تفریحی اعتبار سے پورا پروگرام بناتے ہیں اور ہم تاریخی مقامات اور اکابرین کی یادگاریں زیادہ سے زیادہ دیکھنے کے لیے جانا چاہتے تھے؛ اس لیے ہم نے سفر میں زائد اخراجات طے کر کے ترمذ شامل کیا تھا۔

تو اس نے پوچھا: آپ ترمذ کیوں جانا چاہتے ہیں؟

میں نے بیٹھ کر اس کے سامنے امامِ عالی مقام امام ترمذیؒ کا اور آپ کی کتاب کا تعارف کروایا، وہ بہت حیرت سے میری بات سن رہے تھے، انھوں نے بہت غور سے میری بات سنی اور اخیر میں اس نوجوان نے میرا شکریہ ادا کیا۔

میں نے کہا: اے اللہ! یہ ہمارے مسلمان نوجوان ہیں، جن کو امام ترمذیؒ کے نام تک سے واقفیت نہیں ہے۔

اے اللہ تعالیٰ! کبھی بھی ایسے برے دن ہمارے ملک کو نہ دکھانا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ ایئر پورٹ پہنچے، وہاں ضروری

کارروائی اورعصر کی نماز وغیرہ سے فارغ ہوکر تاشقند سے ترمذ جانے والے چھوٹے سے ہوائی جہاز میں ہم بیٹھے۔

تاشقند سے ترمذ روانگی، جہاز میں نماز

مغرب کی نماز کا وقت ہوائی جہاز میں ہوا، ہم نے ان سے مغرب کی نماز کے لیے درخواست کی تو انھوں نے سختی سے معمول کے مطابق منع کردیا کہ آپ ہمارے جہاز میں بالکل نماز نہیں پڑھ سکتے۔

ہم لوگوں کی کوشش جہاز میں بھی یہ رہتی ہے کہ نماز جماعت سے ادا ہوجائے اور کم از کم قیام، قعود، رکوع اور سجدہ کی تکمیل کے ساتھ نماز ادا ہوجائے اور اکثر ممالک کے جہازوں میں اس کی اجازت مل جاتی ہے، **فللہ الحمد!**

یہاں بھی جہاز کے عملے سے درخواست کی گئی کہ ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں، نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں، انھوں نے قطعاً ممانعت کردی، جس کی وجہ سے پریشانی لاحق ہوگئی، ایک رفیقِ سفر نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو عملہ کا جواب تھا ''جہاز کے کپتان کی طرف سے مکمل ممانعت ہے؛ اس لیے ہم اجازت دینے سے معذور ہیں''۔

آخر کار حضرت مولانا ابراہیم صاحب نے مولانا محمود صاحب کھیرواں کو ہدایت دی کہ وہ جا کر کوشش کریں، لہذا انھوں نے جا کر عملہ کے سربراہ کو سلام کیا اور اپنا تعارف کرایا، اس نے بھی خوشگوار لہجے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے بتلایا کہ میں ازبکستان کے علاقہ بخارا کا رہنے والا ہوں اور مسلمان ہوں، اس پر مولانا محمود صاحب

نے کہا کہ: ہم بھی مسلمان ہیں اور نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔

اس نے جواب دیا کہ: نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

مولانا نے اس کو کہا کہ: میں جے پور کے علاقے کا رہنے والا ہوں، تم کبھی جے پور آئے ہو؟ وہاں پوری دنیا سے لوگ گھومنے آتے ہیں۔

اس نے پوچھا کہ: جے پور کہاں ہے؟

مولانا نے جواب دیا کہ: جے پور ہندوستان میں ہے۔

ہندوستان کا نام سنتے ہی اس نے پوچھا: وہ ہندوستان جہاں کا ''راج کپور'' ہے؟

مولانا سمجھ گئے کہ اس بھولے بھالے مسلمان کو صرف فلمی دنیا کے ایک شخص کا تعارف ہے۔ مولانا نے فوراً کہا کہ: ہاں! وہی ہندوستان جہاں کے فلمستان سے تعلق رکھنے والا یہ شخص ہے۔

اب اس شخص کی آنکھوں میں خوشی اور چمک تھی، اس کا انقباض کچھ دور ہو چکا تھا، مولانا نے اسے گلے لگا کر اس کے ساتھ ایک دو باتیں اور کیں، مولانا نے کہا کہ: تم راج کپور کو کیسے جانتے ہو؟

اس نے کہا کہ: ٹیلی ویژن کے ذریعہ جانتا ہوں۔

مولانا نے کہا: اور بھی کسی کو جانتے ہو؟

چوں کہ وہ بے چارہ ٹی وی کی زندگی سے ہی واسطہ رکھتا تھا، تو اس نے فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والے دوسرے شخص کا نام لیا یعنی شاہ رخ خان کا۔

اب مولانا نے کہا کہ: ہم مسلمان ہیں، ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں، نماز قضا ہو

جائے گی، آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں؟

اب اس کے مزاج میں نرمی آ چکی تھی، اس نے جواب دیا کہ: ہمارے جہاز میں آپ نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں، اگر آپ نے نماز پڑھ لی تو ہمارے لیے پریشانی ہو جائے گی؛ لیکن ایک حل میں نکال سکتا ہوں وہ یہ کہ جہاز کے آخری حصہ میں جہاں جہاز سے نکلنے کی سیڑھی لگتی ہے، اس کے پیچھے جہاز کی دم کی طرف میں ایک حصہ کھول لیتا ہوں، اس چھوٹی سی جگہ میں ایک آدمی کھڑا ہو سکتا ہے، میں وہاں پر آگے کو کھڑا رہوں گا اور آپ لوگ پیچھے جا کر ایک ایک کر کے اپنی نماز ادا کریں، اکھٹے ہو کر نہ آئے، جب ایک آدمی نماز ادا کر کے اپنی سیٹ پر واپس پہنچے تو دوسرا آدمی آئے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اسی ترتیب پر جا کر ایک ایک کر کے نماز ادا کی گئی اور مالکِ حقیقی کا شکر بجالائے۔

اب وہ شخص اس درجہ قریب ہو گیا کہ اس نے تمام رفقائے سفر کو ایک ایک کر کے خود چائے بنا کر پلائی، جب کہ وہ اس سے قبل بات کرنے کو بھی تیار نہیں تھا، یقیناً بے نیاز ہے وہ پاک ذات جس نے اپنے غنی ہونے کا مظاہرہ اپنی مختلف شانوں کے ساتھ کیا ہے، وہ ”لم یزل ولا یزال“ نہ کسی کی عبادت کا وہ محتاج ہے اور نہ کسی کے انکار کی اس کو پرواہے۔

وہ چاہے تو اس کے پاک گھر میں مکہ کے کفار تین سو ساٹھ بت رکھ دیں اور وہ ان کو ڈھیل دے دیں اور کبھی چاہے تو ہاتھیوں کے لشکرِ جرار کو ابابیل جیسی ادنیٰ مخلوق کے ذریعہ چبایا ہوا بھوسہ بنادے **”فجعلھم کعصف مأکول“**.

وہ چاہے تو بت کدے میں اذان دلوادے اور اگر مرضی ہو جائے تو عبرت کے لیے خانۂ خدا میں کفار کے اسلام کے خلاف کیے جانے والے مشوروں پر تحمل اور حلم کا مظاہرہ کرے۔

بہر حال! جہاز میں بقیہ وقت ہم اللہ تعالیٰ کی اس شانِ غنا پر حیرت و متعجب رہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے باوجود نماز کے لیے اس شخص کو نسبتِ ایمانی نرم نہ کر سکی؛ بلکہ غیر مسلم فلمی شخص کا تذکرہ یہ کام کر گیا۔

مالکِ حقیقی کی ذات غنی ہے، کہیں "ان اللہ یؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر" کا مظاہرہ فرماتے ہیں اور بت کدے سے ایمان کے محافظ پیدا فرماتے ہیں:

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

اللہ الصمد!

اسلام اپنوں میں اجنبی

جب ہوائی جہاز کے اسٹاف سے ہم نماز کی اجازت لے رہے تھے تو وہ ہم کو حیرت سے پوچھنے لگے کہ: آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ کون ہو؟ اور یہ سوال و جواب ازبکستان میں ایک جگہ نہیں، کئی جگہ ہم سے ہوئے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ داڑھی، کرتہ، اور اسلامی وضع قطع دیکھ کر ان کا پہلا سوال یہ ہوتا تھا کہ: You AreMuslim (کیا آپ مسلمان ہیں؟) ان کے اس سوال سے دل پر ایک چوٹ لگتی تھی کہ آج مسلمانوں کے ملک میں اسلامی پہچان اجنبی ہو چکی ہے۔

پھر دوسرا سوال یہ ہوتا تھا کہ: آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ اور بہت سی جگہوں پر یہ ہوا کہ ہم نے جن لوگوں کو بھی بتایا کہ ہم ہندوستان سے آئے ہیں تو لوگ جواب میں کہتے کہ: اس ہندوستان سے جہاں سے شاہ رخ خان اور راج کپور ہوا کرتے ہیں، وہاں سے آپ آئے ہیں!!

یہ بات سنتے تو دل رونے لگتا کہ یا اللہ! اس ملک کے نوجوانوں کو امام ترمذیؒ کون ہیں، یہ معلوم نہیں ہے؛ لیکن ان کو ہندوستان کے فلمی اداکاروں کے نام معلوم ہے، حالاں کہ ہوائی جہاز تاشقند سے ترمذ جا رہا تھا۔

ترمذ شہر میں

ہم عشا کے وقت شہر ترمذ پہنچے، بھائی عبدالرحمٰن صاحب کے ایک نمائندے بھائی منصور صاحب وہاں ہمارے استقبال میں گاڑی کے ساتھ موجود تھے، ان کی رہبری میں ہم Meridin ہوٹل جانے کے لیے روانہ ہوئے، اس ہوٹل میں ہمارا رات کا قیام تھا، بھائی منصور ایک دینی سوچ وفکر کے نوجوان ہیں، سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے ہیں، دورانِ سفر نقشبندی اکابر کے کلمات سناتے رہے، اس سے پہلے ترکی اور ملیشیا کے علما کی رہبری کی خدمت انجام دے چکے تھے، چوں کہ یہ شہر سرحدی علاقے میں واقع ہے؛ اس لیے بہت تفتیش ہوئی، نتیجتاً ہم لوگ رات کو بہت دیر سے ہوٹل میں پہنچے۔

دہلی سے حاجی منصور صاحب اور حاجی عبداللہ صاحب کے گھر کا لیا ہوا کھانا ناشتے میں بھی کام آیا تھا اور آج ہوٹل میں بھی اسی کو گرم کر کے کھانے سے فارغ

ہوئے۔رات کو قیام کیا اور فجر میں ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ ترمذ شہر میں نکلے۔

ترمذ شہر

حضرت مولانا ذوالفقار صاحب نے اپنے سفر نامہ میں ''ترمذ'' کے تحت یوں ذکر فرمایا ہے:

دن کے دس بجے آمو دریا کے کنارے واقع ترمذ شہر پہنچے، یہ افغانستان کا دروازہ کہلاتا ہے اور افغانستان کی جنگ میں روسی فوج کے حملے اور سپلائی لائن کا مرکز رہا ہے، یہاں پر سڑک کے دونوں اطراف میں ہزاروں ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کو کھڑے ہوئے دیکھا، محبّ اللہ نے بتایا کہ: یہ سب گاڑیاں اور ٹینک خراب ہو چکے ہیں، افغانستان کی جنگ میں روس کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا، فقیر ٹینکوں کے قبرستان کو دیکھ کر سوچ رہا تھا:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ. (البقرة: ۲٤۹)

(ترجمہ: کتنی دفعہ ایسا ہوا کہ ایک چھوٹی جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آگئی، اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

آگے تحریر فرمایا ہے:

''کہ ترمذ شہر چوں کہ فوجی اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے، لہذا یہاں پر غیر ملکی سیاحوں کو آنے کی اجازت بہت مشکل سے ملتی ہے'' (لاہور سے تا خاکِ بخارا وسمرقند)

ترمذ شہر کی صبح، پیر کا دن

ہم نے پوچھا کہ: آج سب سے پہلے کہاں جانا ہے؟ تو بتلایا کہ: ہم سب سے پہلے ترمذ شہر سے باہر حکیم ترمذیؒ کے مزار پر جائیں گے، ہم ترمذ شہر سے باہر نکلے۔

جنتی نہر جَیحُون کی زیارت

یہ ترمذ شہر ''آمودریا'' نامی ندی کے کنارے پر واقع ہے، جس کا اسلامی نام حدیثِ پاک میں ''جیحون'' آیا ہے۔

جن چار ندیوں کے متعلق حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ یہ چار نہریں جنت کی ہیں، ان میں سے ایک ''جیحون'' ہے، وہ حدیث پاک یہ ہے:

سَیُحُونَ وَجَیُحُونَ وَالنَّیُلَ وَالْفُرَاتَ کُلٌّ مِّنُ اَنُهَارِ الْجَنَّةِ. (مسندِ بزار)

ترجمہ: سیحون اور جیحون اور نیل اور فرات یہ چاروں نہریں جنتی نہریں ہیں۔

جس کا آج کل وہاں نام ''آمودریا'' ہے، اس دریا کے پار افغانستان، پھر پاکستان، ہندوستان یعنی برِصغیر کا سارا علاقہ ہے اور یہی وہ نہر ہے جس کی وجہ سے ہمارے فقہائے احناف کا ایک طبقہ ''علمائے ماوراءُالنہر'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کے کنارے پر ترمذ شہر واقع ہے۔

کیا ماحول رہا ہوگا جب یہ سرحدیں نہیں تھیں، ہر جانب مسلمانوں کی اسلامی سلطنتیں تھیں، علما اور طلبہ کا علمی تشنگی کو بجھانے کے لیے ادھر ادھر آنا جانا ہوتا تھا، کبھی اس علاقے والے اس علاقے میں اور کبھی وہاں والے یہاں دین کے خاطر آتے

جاتے ہوں گے اور یہاں درس وتدریس کے ساتھ ساتھ علمی تحقیقات کا تبادلہ، پھر کبھی اس میں آپسی مذاکرے اور بعض مرتبہ مناقشے یعنی کیا علمی ہلچل رہی ہوگی!!

اکتسابِ فیض کرنے والے کبھی یہاں کی خانقاہوں میں، کبھی وہاں کی خانقاہوں میں اور داعیانِ اسلام، اولیائے کرام کبھی اس چوٹی پر، کبھی اس چوٹی پر رختِ سفر باندھتے ہوئے صبح وشام، دن رات، اسفار میں مشغول رہے ہوں گے!!!

آج یہ حال ہے کہ سارا علاقہ کیا، ساری دنیا ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے؛ بلکہ ہر پڑوسی دوسرے سے برسرِ پیکار نظر آتا ہے۔

جیحون کے کنارے کنارے

ہم سڑک سے آمودریا کی زیارت کرتے کرتے آگے بڑھ رہے تھے، راستے میں بدھ مذہب کے ماننے والوں کے بہت سے کھنڈرات ہم دیکھ رہے تھے، یہ کسی زمانے میں بدھ مذہب کے ماننے والوں کی عبادت گاہیں تھیں، گاڑی سے ہی اس کو دیکھتے دیکھتے آگے بڑھ رہے تھے۔

تحقیق سے پتہ چلا کہ اس ملک میں کسی زمانے میں بدھ مذہب عام رہا ہے اور بتایا گیا کہ ہندوستان سے بدھ مذہب افغانستان آیا، افغانستان سے ازبکستان اور یہاں سے یہ مذہب چین اور اس کے اطراف میں پھیلا ہے، بدھ مندروں کے بہت سارے ٹوٹے ہوئے کھنڈرات ہم نے راستے میں دیکھے، بدھوں کی عبادت گاہوں کو ''پیگوڈا'' بھی کہتے ہیں۔

حکیم ترمذیؒ کے مزار پر

آگے چلتے ہوئے ہم لوگ ایک بہت ہی وسیع وعریض احاطے میں پہنچے، بتلایا گیا کہ: یہ حکیم ترمذیؒ کے مزار کا احاطہ ہے۔

حکیم ترمذیؒ کا مختصر تعارف یہ ہے: ان کا مشہور نام ''حکیم ترمذی'' ہے، پورا نام ''ابوعبداللہ محمد بن علی بن بشیر بن ہارون'' ہے، علی اختلاف الاقوال ان کی پیدائش سن ۲۰۵ھ میں ہوئی اور وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی، انھوں نے ۱۱۵ یا ۱۲۰ سال کی عمر پائی۔

حکیم ترمذیؒ کا تعارف

حکیم ترمذیؒ کا تعارف حضرت مولانا ذوالفقار صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

حکیم ترمذیؒ اپنے وقت کے بڑے علما اور صلحا میں شمار ہوتے ہیں، ان کا مزار آمو دریا کے کنارے پر واقع ہے، دریا کی دوسری طرف افغانستان کا مشہور شہر مزار شریف ہے۔

حکیم ترمذیؒ نے بچپن میں کئی اساتذہ سے علمِ حدیث حاصل کیا، پھر طب کی دنیا میں اپنا نام پیدا کیا، خانقاہ کے متولی نے فقیر کو حکیم صاحبؒ کا مطب دکھایا، زیرِ زمین بنے ہوئے تہہ خانے دکھائے جہاں حکیم صاحبؒ اپنے بعض مریضوں کو رکھتے تھے، یوں لگتا تھا کہ زیرِ زمین ہسپتال بنایا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکیم صاحبؒ کو طبیبِ جسمانی کے ساتھ ساتھ طبیبِ روحانی بھی

بنایا تھا، ہزاروں لوگ آپ کی خدمت میں آکر دردِ دل کی دوا لیتے رہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال سے بھی نوازا تھا۔

حکیم ترمذیؒ کا ایک واقعہ

آپ کی جوانی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک جوان عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ: میں آپ پر فریفتہ ہوں، ملنے کے لیے آئی ہوں، تنہائی ہے آپ میری مراد پوری کریں۔ آپ کے دل پر خوفِ الٰہی اس قدر غالب آ گیا کہ آپ رونے لگ گئے، عورت یہ دیکھ کر شرمندہ ہوگئی اور واپس چلی گئی، آپ چند دن کے بعد اس واقعہ کو بھول گئے۔

ایک مرتبہ آپ وضو کر رہے تھے، بڑھاپا آچکا تھا کہ اچانک دل میں اس عورت کا واقعہ یاد آ گیا اور ساتھ ہی خیال آیا کہ مجھے چاہیے تھا کہ اس عورت کی خواہش پوری کر دیتا اور بعد میں گناہ سے توبہ کر لیتا، یہ خیال دل میں ایسا جما کہ نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا، آپ بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے اور خوب رو رو کر دعا مانگی، حتی کہ اسی حالت میں سو گئے، خواب میں نبیٔ اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حکیم ترمذی! اتنے مغموم کیوں ہو؟

عرض کیا کہ: اے میرے آقا ﷺ! جوانی میں خوفِ خدا غالب تھا کہ دعوتِ گناہ کے باوجود گناہ کی طرف میلان پیدا نہ ہوا اور اب بڑھاپے میں میری حالت اتنی بگڑ گئی ہے کہ نفس میں گناہ کی رغبت موجود ہے، دل کہہ رہا ہے کہ تو نے اس وقت گناہ کر لینا تھا، افسوس کہ! میں اپنے بال سفید کر بیٹھا؛ مگر دل کو سیاہ کر لیا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بات یہ ہے کہ جب تم جوان تھے تو وہ وقت میرے زمانے سے قریب تھا؛ لہٰذا اس میں خیر زیادہ تھی، اب تم بوڑھے ہو گئے تو اس زمانے میں خیر کم ہو گئی، ماحول کی نورانیت میں کمی کی وجہ سے تمھارا خیال گناہ کی طرف چلا گیا، تمھارا رونا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔

آنکھ کھولی تو حکیم ترمذیؒ نے اپنے دل کو مطمئن پایا۔ (لاہور سے تاخاکِ بخارا)

حکیم ترمذیؒ کی نقل کردہ حدیث

حدیثِ پاک کے مشہور رسالہ ”رسالة الأوائل: للشيخ محمد سعيد بن سنبل رحمة الله“، جس میں چالیس سے زائد مختلف کتابوں کی پہلی پہلی حدیثیں جمع کی گئی ہیں، ان کو پڑھا کر محدثین مختلف سندوں سے اس کی اجازت دیتے ہیں، اس میں حکیم ترمذیؒ کی ایک روایت:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا نِمْتُ الْبَارِحَةَ، قَالَ: مِنْ اَیِّ شَیْءٍ؟ قَالَ: لَدَغَتْنِیْ عَقْرَبٌ، فَقَالَ: اَمَا اِنَّكَ لَوْ قُلْتَ حِیْنَ اَمْسَیْتَ: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ، لَمْ یَضُرَّكَ شَیْئٌ.

منقول ہے جو حکیم ترمذیؒ کی مشہور کتاب ”نوادر الأصول في معرفة أحاديث الرسول“ سے لی ہے۔

اس کتاب کا جدید نسخہ ہمارے جامعہ ڈابھیل کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ حکیم ترمذیؒ اپنے زمانے کے بہت ہی مشہور و معروف بزرگ گذرے ہیں۔

سلطان آباد

جہاں ان کا مزار ہے یہ ’’سلطان آباد‘‘ نام کا ایک چھوٹا سا دیہات ہے۔

کہا جاتا ہے کہ: سلطان آباد کسی زمانے میں بہت بڑا شہر تھا؛ لیکن چنگیزی فتنے کے زمانے میں اس شہر کو پورا ویران وکھنڈر کر دیا گیا، یہاں قتلِ عام کیا گیا اور شہر کو ختم کر دیا گیا۔

ہم احاطے میں داخل ہوئے تو ایک طرف میوزیم (Musiam) ہے، جس میں پرانے زمانے کی بہت ساری یادگار چیزیں بھی ہیں، جن کو دیکھ کر اس دور میں کیسا آسان، تکلف سے خالی زندگی گذارنے کا طریقہ تھا وہ سمجھ میں آتا ہے، جب کہ آج ترقی یافتہ کہے جانے والے دور میں گھریلو سامان کی بہتات کے باوجود جدید انداز نے ہماری زندگیوں کو مشکل، مہنگا اور پُر تکلف بنادیا ہے، گھریلو سامان خریدنے میں بہت بڑی مقدار میں مال و دولت اور وقت خرچ ہوتا ہے، جو اسراف کی ایک شکل ہے۔

احاطے میں عمارتوں کے باہر بہت خوب صورت باغیچہ بھی ہے۔ چلتے چلتے ہم لوگ حکیم ترمذیؒ کی مسجد کے پاس پہنچے، یہ مسجد ایک تہہ خانے میں واقع ہے۔

حکیم صاحبؒ کا ہاسپٹل

کہتے ہیں کہ: حکیم ترمذیؒ نے تہہ خانے میں ہاسپٹل (Hospital) بنایا تھا جس میں مریضوں کو داخل کرتے تھے، جس زمانے میں دنیا میں ہاسپٹل کا کوئی تصور نہیں تھا، اس وقت انھوں نے تہہ خانے میں یہ ہاسپٹل بنایا تھا جس میں باقاعدہ مریضوں کا علاج و معالجہ کیا جاتا تھا۔

ایصالِ ثواب کا انوکھا طریقہ

وہیں پر مسجد بھی ہے اور وہیں پر ان کا مزار بھی ہے، مسجد اور مزار کے پاس ایصالِ ثواب کا ایک عجیب وغریب طریقہ دیکھا کہ وہاں کے عام لوگ بے چارے قرآنِ مجید کی تلاوت سے بالکل واقف نہیں، قرآنِ مجید ناظرہ پڑھنا عام لوگوں کو بالکل نہیں آتا (اس سلسلے میں مزید بات میں ان شاء اللہ آگے کروں گا) وہاں پر ایصالِ ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ مزاروں پر مجاور حضرات بیٹھے رہتے ہیں، مجمع آتا رہتا ہے، جس میں اکثریت عورتوں کی ہوتی ہیں، پچیس پچاس عورتیں جمع ہوتی ہیں، مجاور ایک آیت پڑھتے ہیں، لوگ سنتے ہیں اور اس سنی ہوئی آیت کا ثواب صاحبِ قبر کو ایصال کر دیا جاتا ہے، اس کے بعد دعا کی جاتی ہے اور اس کے بعد مجاور حضرات کو نذرانے دیے جاتے ہیں۔

ذکر کی جگہ

ہم وہاں سے باہر نکلے تو بتایا گیا کہ: سامنے ان کی ذکر گاہ ہے، حکیم ترمذیؒ کی ذکر ومراقبہ کرنے کی عجیب وغریب جگہ ہے، تقریباً ۳۵ رسیڑھی اتر کر ہم زمین میں نیچے پہنچے، یہ جگہ بالکل کچی ہے اور آج تک بالکل ویسی ہی ہے، میں تو اس کو حکیم ترمذیؒ کی کرامت سمجھتا ہوں کہ گیارہ سو، بارہ سو سال کے بعد بھی کچی مٹی رکی ہوئی ہے، نیچے گڑھا ہے، اس گڑھے میں ہم لوگ اترے، ابھی اس گڑھے کے اوپر چھت بنائی گئی ہے، ہم آہستہ آہستہ نیچے اترے، اترنے کے بعد دیکھا کہ وہاں پانی ہے۔

ایک زندہ کرامت

بتایا گیا کہ: حکیم ترمذیؒ جب ۶۳ رسال کی عمر کو پہنچے تو انھوں نے اپنی خلوت گاہ بنوائی تھی، اس میں روشنی بھی نہیں آتی اور ۷۵ رسال تک اس گڑھے میں آپ نے ذکر ومراقبہ کیا ہے، ذکر کے آثار وبرکات اس طریقہ سے ظاہر ہوئے کہ ایک مرتبہ حکیم ترمذیؒ ماہِ رمضان میں ذکر میں مشغول تھے تو قدرتی طور پر گڑھے میں پانی نکل آیا۔

کہا جاتا ہے کہ: آج تک ہر رمضان کے مہینے میں وہ پانی نکلتا ہے اور جب ماہِ رمضان ختم ہوجاتا ہے تو پانی خشک ہوجاتا ہے، ہم چوں کہ شوال کے مہینے کے بالکل شروع میں گئے تھے؛ اس لیے ہم کو اس پانی کے دیدار اور اس کو پینے کی سعادت حاصل ہوئی، اس میں روشنی بھی نہیں آتی۔

جب ہم باہر نکلے تو وہاں پر ایک دوسرے مجاور صاحب بیٹھے ہوئے تھے، وہاں پر بھی پچاس سو عورتوں کا آنا جانا، تلاوت اور ایصالِ ثواب کا سلسلہ جاری تھا، وہاں کے جو مجاور صاحب تھے ہم ان کے پاس جا کر بیٹھے، حضرت دامت برکاتہم کے نورانی چہرے کو دیکھ کر انھوں نے خود درخواست کی کہ دعا آپ کروائیں گے تو حضرت نے وہاں پر پرسوز دعا کروائی، ایک بہت بڑا مجمع اس دعا اور آمین میں شریک ہوا۔

امام ترمذیؒ کے مزار کی طرف روانگی

ہم وہاں سے باہر نکل کر ''شیر آباد'' جانے کے لیے گاڑی میں سوار ہوئے، شیر آباد وہ مبارک جگہ ہے جہاں امامِ عالی مقام امام ترمذیؒ آرام فرما رہے ہیں، تقریباً

۲۰ رکلومیٹر ہماری گاڑی چلی ہوگی کہ راستے پر ایک اونچا گیٹ آیا، اس میں ہماری گاڑی داخل ہوئی اور ایک کچے راستے پر چلنے لگی، تقریباً ڈیڑھ دوکلومیٹر کچے راستے میں ہماری گاڑی چلی ہوگی کہ ایک بڑے قبرستان میں ہم داخل ہوئے، جس میں چاروں طرف دور دور پہاڑیاں تھی، کھیت تھے، قبریں تھیں، عجیب سناٹا تھا، دور دور تک نہ کوئی انسان، نہ کوئی مکان، نہ کوئی بستی، نہ کوئی آبادی وہاں نظر آرہی تھی؛ البتہ رحمت کے فرشتے ضرور ان کی اس فرودگاہ پر آتے جاتے ہوں گے، اسی قبرستان کے بیچ میں امام ترمذیؒ آرام فرما ہیں۔

ماضی اور حال کا تقابل

جس زمانے میں امام ترمذیؒ وہاں رہتے تھے، کتنے عاشقانِ علمِ حدیث طلب وجستجوئے علم میں؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بہت سے علما، صلحا، فضلا، صاحبِ سند محدثین محض اپنی سند کو عالی کرنے کے لیے اس حال میں یہاں آتے رہے ہوں گے کہ نورانی مخلوق یعنی فرشتے ان کے قدموں کے نیچے اپنے نورانی پر بچھا کر ان کا استقبال کرتے ہوں گے اور رحمتِ الٰہی ان کو اوپر سے ڈھانپ لیتی ہوگی اور ایک جماعت ان کو چاروں طرف سے گھیر لیتی ہوگی، "حفتهم الملا ئكة" کا نورانی منظر رہتا ہوگا، کتابوں کا تو زیادہ دستور نہیں تھا؛ تاہم قلم وکاغذ لے کر کتنے ہی علم کے متوالے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے ہوں گے۔

اور جس وقت امامِ ہمام مجلس میں آتے ہوں گے، یہ منتظر مجمع مضطرب ہوجاتا ہوگا، کوئی پہلی نظر والا دیدار، کوئی محبت کے القاب، کوئی خاص شاہانہ انداز میں:

"جاء الشيخ الثقة الأمين" کا اعلان کرتا ہوگا اور جس وقت امامِ حدیث اپنے مبارک لبوں کو کھولتے ہوں گے، رحمتِ الٰہی بھی جوش مارتی ہوئی ان نفوسِ قدسیہ پر لپکتی ہوگی اور جوں جوں یہ سند "حدثنا" اور "أخبرنا" کے تسلسل کو لے جا کر "قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" پر منتہی ہوتی ہوگی تو محبوبِ دو جہاں ﷺ کی روح مبارک کو اس دور دراز علاقے سے اس درود شریف اور اس کے بعد متواتر درودوں کی خبر اس کام پر مامور جماعتِ ملائکہ پہنچاتی ہوگی، تو سید الثقلین، امام المعلمین حضرت رحمۃ للعالمین ﷺ کی روح پر فتوح کی جانب سے ملنے والی دعاؤں اور مسرتوں کا کیا ٹھکانہ رہتا ہوگا، اللہ اللہ!!!

پھر جس قدر آگے سلسلہ چلتا رہا ہوگا، طلبہ کے استفسارات، امام ترمذیؒ کے جوابات، بعض سینہ بہ سینہ اور بعض کاغذ و قلم لے کر اس خزانے کو سمیٹ کر جب مجلس سے اٹھتے ہوں گے تو قلب و جگر کا کیا حال رہا ہوگا!!!

آج بھی حدیث شریف کے برکات

دنیا دیکھنا چاہے تو تنزل کے اس دور میں بھی آج دار الحدیث کے مناظر کو دیکھنے آئے "حدثنا و اخبرنا" اور "قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" کو مکمل سند کے ساتھ، آدابِ علم کی رعایت کرتے ہوئے صرف ایک سال میں اساتذہ اور شاگردوں کے درمیان محبت و محبوبیت کا کیا رشتہ پیدا ہو جاتا ہے کہ رخصت اور الوداعی مجالس میں آنکھوں سے جاری ہو کر نہ تھمنے والا سیلاب تو ایسا پیارا اور مؤثر ہوتا ہے کہ اس کے ذکر کے وقت آنکھیں بہہ پڑتی ہیں۔

امام ترمذیؒ کے مزار کے حال کا منظر

اے مالک! آپ حکیم داتا اور دانا ہیں، اپنی رحمتوں کو خود جانتے ہیں۔

کہاں گیا اس جگہ کا وہ منظر؟

کہاں گئیں وہ مجالس؟

کہاں گئے وہ "قرأت علی الشیخ" کہنے والے؟

وہ "حدثنا" اور "أخبرنا" کی سند کو سرورِ کائنات ﷺ تک پہنچانے والے!

یہ کیا ہو گیا؟

آج تو یہاں کچھ بھی نہیں!

کوئی آواز نہیں!

کوئی طالب علم نہیں!

کوئی استاذ نہیں!

مسجد تو ہے، لیکن کوئی اذان دینے والا یا اقامت کہنے والا نہیں!

مالک آپ غنی ہیں، یہ کیا ہو گیا؟

وضو کے وقت استاذ کے لیے پانی کا لوٹا لانے کے لیے دوڑنے والے خوش نصیب شاگردان!

وہ استاذ کے جوتے سیدھے کرنے میں ایک دوسرے سے جھگڑنے والے سعادت مند تلامذہ!

وہ ایک دوسرے سے پہلے حدیث شریف کی عبارت پڑھنے کی کوشش کرنے

والے خوش الحان طالبانِ علمِ حدیث!

وہ "لو قلت من كتابك" کہہ کر کاپی سے حدیث سننے کے شوقین!

وہ استاذ کی کاپی لانے اور لے جانے سے قبل ہی شوقِ علم میں زبانی سنانے کی درخواست کرنے والے!

کہاں گئے؟

کہاں چلے گئے؟

اس جگہ پر یہ سناٹا کیسا؟

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

بہرحال! فعل الحكيم لا يخلو من الحكمة ، بندہ کیا دخل دے مالک کی حکمتوں میں، اس کی تکوین میں، وہ جانے اس کا کام، بندہ اپنی زندگی کی حدود سے باہر کیوں جائے۔

وہاں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، ہم گاڑی سے اتر کر اس مسجد میں گئے، سب نے چاشت کی نماز پڑھی۔ مسجد کے متصل امام ترمذیؒ آرام فرما ہیں، مسجد کے باہر ایک بڑے پتھر پر امام ترمذیؒ کے حالات کندہ کیے گئے ہیں۔

امام ترمذیؒ کے مزار پر

مزار والے کمرے میں داخل ہوتے ہی مولانا رحمت اللہ صاحب نے وجد کے عالم میں ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ: امام ترمذیؒ ایک چھلنی رکھتے تھے اور سندوں کو سامنے رکھ کر کے فیصلے فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث صحیح ہے، یہ حسن ہے، وغیرہ وغیرہ۔

پھر ہم سب امام ترمذیؒ کی قبر کے پاس بیٹھ گئے اور حضرت دامت برکاتہم نے ترمذی شریف کا پہلا باب اور اس کی حدیثیں اور بعد میں ترمذی شریف کے پورے ایک صفحے کی عبارت تلاوت فرمائی، جب حضرت نے خطبہ شروع کیا اور اس جملے پر پہنچے "وبالسند المتصل منا الی الامام الھمام الحافظ الحجة أبو عیسی الترمذي" اس وقت سب کی چیخیں نکل گئیں اور سب بے اختیار زاروقطار رونے لگے، پھر جب ترمذی شریف کی عبارت پڑھتے پڑھتے باب پورا ہوا اور امام ترمذیؒ کا تبصرہ شروع ہوا "قال أبو عیسیٰ: هذا حدیث حسن صحیح" پر پہنچے تو کوئی بھی اپنے آپ پر قابو نہ کرسکا اور سب دھاڑیں مار مار کر اس موقع پر رونے لگے، ہر ایک پر ایک عجیب گریہ کا سماں طاری ہوگیا۔

پھر حضرت دامت برکاتہم نے دعا شروع کی، اس دعا میں سب کو بہت رونا آیا، خاص طور پر حضرت کی دعا کے اس جملے پر کہ:

اے اللہ! جس سرزمین بابرکت سے پوری دنیا کو علوم نصیب ہوئے، حدیثوں کا مجموعہ ملا، آج اس سرزمین کے انسان کس حالت میں زندگی گذار رہے ہیں!!

ان کے لیے خوب دعائیں کی گئیں، پھر ہم لوگوں نے امام ترمذیؒ کو ایصالِ ثواب کیا۔

ترمذی شریف کی چند حدیثیں امام ترمذیؒ کے مزار پر لکھی گئی ہے "أبو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة بن موسیٰ الترمذي" یہ پورا نام بھی آپ کے مزار پر کندہ ہے۔

پھر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب بانڈی پورہ والے نے فارسی کا ایک شعر پڑھا، بڑا عجیب شعر تھا؛ چوں کہ ابھی کل ہی ہم قفال شاشیؒ کے مزار سے آئے تھے اور آج صبح حکیم ترمذیؒ کے مزار سے آئے تھے، ان کے مقابلے میں امام ترمذیؒ کے مزار پر بالکل سناٹا تھا، نہ عورتوں کی بھیڑ، نہ مردوں کی بھیڑ، نہ کوئی زیارت کرنے والا، نہ کوئی دیکھنے والا، وہ شعر یہ تھا:

بر مزارِ ما غریباں نہ چراغ نہ گلے	نہ پروانہ سوزد، نہ صدائے بلبلے

ہم غریبوں کی قبر پر نہ پھول ہے، نہ چراغ، نہ کوئی رونے والا ہے، نہ کوئی آنے والا ہے، نہ کوئی چراغ ہے کہ اس پر کوئی پروانہ آکر گرے، بس ایسی ویرانی میں ہم سو رہے ہیں۔

امتِ مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی پر افسوس کرتے ہوئے اس جگہ سے باہر آئے، سبھی حضرات اس موقع پر ٹھنڈی آہیں بھر رہے تھے کہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے برموقع شعر پڑھ کر قلوب میں توحیدِ الٰہی اور مالک الملک کی شانِ بے نیازی کا استحضار کروادیا:

یہ نغمہ فصلِ گل ولالہ کا نہیں پابند	بہار ہو کہ خزاں لاالہ الا اللہ

پھر جب ہم باہر نکلے تو قلب پر عجیب کیفیت کا سماں تھا، مزار مبارک سے نکل کر ہم سڑک پر آئے، بھوک اور پیاس بھی لگی ہوئی تھی۔

عجیب میٹھے تربوز اور خربوزے

جب چند قدم آگے چلے تو ایک گاڑی دیکھی، جس میں کھیتوں کے تازہ تازہ

خربوزے اور تربوز بیچے جارہے تھے، ہم نے فوراً گاڑی رکوادی اور سب حضرات شہتوت کے درخت کے جھنڈ میں بنی ہوئی ایک جگہ میں بیٹھ گئے، سامنے کھیتوں کا ایک بہترین منظر تھا، تازہ تازہ گیہوں ابھی کٹے ہوئے تھے، دور دور تک پیارا منظر تھا۔

آپ یقین مانیے! زندگی میں اتنے میٹھے، اتنے نرم اور ملائم، رس دار نہ تربوز کھائے اور نہ خربوز، عجیب قسم کے تربوز اور خربوز، میں اس کی کیفیت بیان نہیں کرسکتا، رس سے بھرے ہوئے اور عجیب وغریب مٹھاس، ایسا لگتا تھا کہ اس میں شکر گھولی ہوئی ہے، ایسی مٹھاس تھی اور رس بھی اس میں سے اتنا نکل رہا تھا کہ گلاس کے گلاس بھر جائے، اللہ تعالیٰ کی عجیب نعمت تھی، سب کھارہے تھے اور بار بار زبان سے الحمدلله کا ذکر ہورہا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو پھلوں کی فراوانی کی نعمت سے مالا مال فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا حال

جب وافر مقدار میں پھلوں سے سیر ہوئے تو حضرت مدظلہ العالی نے ایک نکتہ ارشاد فرمایا:

خربوزہ: فارسی زبان میں ''خر'' گدھے کو کہتے ہیں اور تربوز ''بز'' بکری کو کہتے ہیں، آج کھانے میں ہمارا حال خر اور بز جیسا ہوگیا اور ہم نے خوب سیر ہوکر کھایا۔

یہ جملے اس طرح درد سے حضرت نے ارشاد فرمائے کہ ہمارے لیے ایک بڑی نصیحت بن گئے۔

اگر کھانا اللہ تعالیٰ کے لیے کھایا جاوے، اچھی نیت سے کھایا جاوے تو وہ بھی عبادت ہے۔

قیمت بھی معمولی

جب سارے حضرات کھا کر فارغ ہو گئے تو اخیر میں میں نے پوچھا: کتنی قیمت ہوئی؟ تو قیمت سن کر بھی آپ کو حیرت ہوگی کہ ہمارے حساب سے ایک ڈالر میں اتنے سارے خربوزے اور تربوز ہم نے کھائے (ہمارے ہندوستان میں ایک امریکی ڈالر کا آج کل بھاؤ ٦۲ یا ٦۳ روپیے ہیں) اتنے روپیے میں ہم نے تقریباً بارہ یا تیرہ تربوز اور خربوزے کھائے۔

امام ترمذیؒ کی دعوت

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب جو قلندر اور زندہ ولی صاحبِ نسبت بزرگ ہیں، مجمع البحرین ہیں: ایک تو فقیہ الامت سیدی حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے خلیفہ ہیں اور ساتھ ہی حضرت اقدس مولانا ذوالفقار نقشبندی صاحب دامت برکاتہم سے بھی اجازت ہے، ان کی زبان سے ایک بات نکلی جو واقعی بالکل صحیح تھی کہ ''یہ امامِ عالی مقام امام ترمذیؒ کی جانب سے ہماری دعوت ہے''۔

یہ واقعہ تھا کہ پھر پورے ازبکستان کے سفر میں ہم نے خربوزے اور تربوز بہت کھائے، دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی بہت مرتبہ کھانا نصیب ہوا؛ لیکن جو مٹھاس اور لذت اس خربوزے اور تربوز میں تھی پورے ملک کے سفر میں کہیں پر ایسی لذت اور مٹھاس ہم کو نصیب نہیں ہوئی۔

حضرت دامت برکاتہم نے مجھ سے فرمایا کہ: بات دراصل یہ تھی کہ امام

ترمذیؒ کے مزار پر کوئی آتا جاتا نہیں، ہم آئے؛ اس لیے امام ترمذیؒ نے ہماری دعوت کی اور ان کی توجہ ہم کو حاصل ہوئی۔

حضرت نے فرمایا: حضرت شیخ زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ نے اپنی ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ شہدائے خیبر کی قبور پر حاضری ہوئی تو جتنی کشش اور دل بستگی ان قبور پر تھی، اتنی حرمین کے کسی قبرستان میں نہیں ہوئی، اس پر بڑی حیرت بھی ہوئی اور کئی دنوں تک اس کا اثر بھی رہا، اکابرِ ہند: علی میاں، مولانا انعام الحسن صاحب وغیرہ سے بندے نے اس کی وجہ دریافت کی کہ بقیع اور جنت المعلی میں اتنی کشش نہیں، جتنی یہاں ہوئی، مدینہ پاک کے کئی ماہ قیام میں ان قبور پر بار بار جانے کا تقاضا رہا، ان اکابر نے جاذبیت کی وجوہ مختلف بتلائیں، اس سیہ کار کے خیال میں یہ ہے کہ وہاں کے حاضر ہونے والے بہت کم ہیں، حاضری کی نوبت دور ہونے اور جنگل کی وجہ سے کم آتی ہے؛ اس لیے وہاں کی مقدس ارواح کی توجہ آنے والوں کی طرف زیادہ ہوئی۔ (آپ بیتی: ۱/۵۲۸، ۵۲۹)

تو حضرت نے فرمایا کہ: جس طرح کسی کے یہاں کوئی جاتا نہیں ہے، اگر وہاں کوئی جائے تو اعزاز واکرام بڑھ جاتا ہے تو یہاں پر بھی ہم لوگوں کو یہی بات محسوس ہوئی۔

شیر آباد سے بخارا کی طرف

شیر آباد- جہاں امام ترمذیؒ کا مزار ہے وہاں- سے ہم روانہ ہوئے تو ہم نے بھائی منصور سے پوچھا کہ: ہماری اگلی منزل کونسی ہے؟

انھوں نے کہا: اب ہمیں بخارا جانا ہے۔

میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ: چھ سو پچاس کلومیٹر ہے، زیادہ نہیں ہے۔ ہم نے ہندوستانی اعتبار سے اندازہ لگایا کہ ان شاء اللہ پانچ یا چھ گھنٹے میں تو ہم پہنچ جائیں گے اور عصر کی نماز ان شاء اللہ بخارا جا کر ادا کریں گے؛ چوں کہ گاڑی بھی ماشاءاللہ عمدہ تھی، ایئر کنڈیشن بھی اچھا چل رہا تھا، اب تک کے راستے بھی اچھے تھے، ہم اس زعم میں گاڑی میں سوار ہوئے؛ لیکن ہماری گاڑی کچھ ہی کلومیٹر آگے چلی تھی کہ اب ایسا راستہ آیا کہ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ پختہ راستہ بنا ہی نہ ہو، ایسا راستہ کہ بس خدا کی پناہ اور اس کو طے کرنے میں اتنی تاخیر ہوئی کہ تقریباً گیارہ گھنٹے لگ گئے اور کافی رات گئے دیر سے ہم لوگ بخارا پہنچے۔

اصلی دیہاتی زندگی

راستے میں ایک گاؤں میں ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے ہم رکے تھے، وہاں ایک بڑا عجیب واقعہ پیش آیا، بالکل پرانے انداز کا ایک گاؤں تھا، سیدھی سادی وہاں کی زندگی تھی، ظہر کی نماز کے لیے ہم رکے اور مسجد میں نماز کے لیے گئے تو بالکل پرانے انداز کی مسجد تھی، اس کا وضوخانہ بھی بڑا عجیب تھا، اس میں قدیم انداز کے کافی وزن دار لوٹے تھے اور پرانی لکڑیوں کی نشست گاہیں بنی ہوئی تھیں، ایک لمبا گڑھا بنایا گیا تھا جس کے چاروں طرف بیٹھک بنادی گئی تھی اور مستعمل پانی اس گڑھے میں جارہا تھا، اس میں ریت ہونے کی وجہ سے پانی جذب ہوجاتا تھا، استنجاخانے بھی بہت سادے بنے ہوئے تھے۔

مسجد کے چاروں طرف بہت ہی خوب صورت درخت اور بیلیں تھیں اور پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا، جس میں بہت ہی ٹھنڈا پانی تھا، جیسے کسی کولر سے پانی آرہا ہو، بہت ہی عمدہ آب و ہوا تھی۔

ہم ضروریات اور وضو سے فارغ ہو کر مسجدِ شرعی میں داخل ہوئے، دیہات کے لوگوں نے ہمارے قافلے کو دیکھا، وہ بڑی حیرت سے ہم کو دیکھ رہے تھے، امام صاحب کو اطلاع ہوئی تو وہ فوراً مسجد میں تشریف لے آئے، گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ اس امام صاحب کے والد بڑے عالم تھے، ان کے دادا بھی بڑے عالم تھے اور ان کے دادا مرحوم کی یاد میں ان کے والد نے یہ مسجد بنا رکھی ہے، وہ امام صاحب چند سورتوں اور آیتوں کے حافظ تھے۔

ہم نے ظہر کی نماز جماعت سے ادا کی، پھر امام صاحب نے قرآنِ پاک کی چند آیتیں سنائیں اور انھوں نے حضرت دامت برکاتہم سے درخواست کی کہ: آپ میرے والد اور مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لیے دعا کروا دیجیے۔

حضرت دامت برکاتہم نے وہاں مسجد میں بیٹھ کر پرسوز دعا کروائی۔

قرآنِ کریم کی تعلیم

امام صاحب سے تعلیمِ قرآن کے سلسلے میں مذاکرہ ہوا تو انھوں نے بتایا کہ: یہاں مکتب یا مدرسے کا نظام تو بہت ہی دشوار ہے؛ بلکہ میں نے اندازہ لگایا کہ اس موضوع پر بات چیت کرنے سے بھی ڈر رہے ہیں۔

نکلتے نکلتے ہم نے آہستہ سے ان سے درخواست کی کہ کم سے کم آپ اپنے

بچوں کو تو قرآنِ پاک پڑھائیے، اس چھوٹے سے دیہات میں تو آپ قرآنِ مجید کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیجیے، یہاں پر کہیں بھی قرآن کی تعلیم کا رواج نہیں ہے۔

اس پر امام صاحب نے بڑے درد سے کہا کہ: معاف کیجیے! کہ ہم ہمارے ملک میں اپنے بچوں کو بھی قرآن نہیں پڑھا سکتے، ہم پر قانونی پابندی ہے، قرآنِ پاک کی تعلیم سے ہم لوگ محروم ہیں، آپ دعا کر دیجیے، ہم ان کی اس درد بھری بات سن کر دل میں حسرت لیے آگے بڑھے۔

باری تعالیٰ کا نظامِ رزق

باہر نکلے تو تازہ پھل، سبزیاں اور بھی چیزیں بڑی مقدار میں چھوٹے چھوٹے راستوں پر واقع فرشی دکانوں میں مل رہی تھیں، کچھ چیزیں خرید کر کھانے بیٹھے، ہمارے ساتھ ہندوستان سے جو کھانا تھا اس میں امام صاحب اور دوسرے وہاں کے مسلمانوں کو بھی شامل کیا، اس وقت دل میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کا نظام دیکھو! کہاں دہلی؟ اور کہاں ازبکستان کا ایک چھوٹا سا دیہات؟ خود پکانے والے کو نہیں معلوم کہ یہ کھانا کون کون کھائے گا؟ کھانے والے کو نہیں معلوم کہ میرے پاس آج کہاں سے کھانا آئے گا؟ سب باری تعالیٰ کا نظامِ رزق ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِيْ الْأَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. (الھود:٦)

ترجمہ: اور زمین میں کوئی چوپایہ نہیں؛ مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے اس کی روزی ہے۔

امام صاحب اور وہاں کے مسلمانوں سے الوداعی سلام و مصافحہ کر کے ہم پھر گاڑی میں سوار ہو گئے۔

بخارا کے راستے میں عصر کی نماز

پھر راستے میں ایک اور جگہ عصر کی نماز کے لیے رکنا ہوا، یہ ایک قصبہ تھا، وہاں پر ایک ہوٹل تھی، وہاں گاڑی رکوائی اور جب ہم گاڑی سے اترے تو وہاں بچے اور جوان لڑکیاں بڑی تعداد میں ہماری طرف بڑی تعجب کی نگاہوں سے دیکھنے لگے کہ یہ کونسی نئ مخلوق ہے، حسبِ سابق یہاں پر بھی سوالات ہوئے کہ کیا آپ مسلمان ہے؟ کہاں سے آئے ہیں؟ وغیرہ۔

بات چیت میں مشکلات

اس ملک میں عام طور پر بات چیت میں بڑی مشکلات پیش آئیں:

(۱) ازبک زبان ہم نہیں جانتے، اس کے کچھ الفاظ فارسی زبان سے ملتے جلتے ہیں؛ اس لیے بعض بوڑھے لوگ فارسی زبان بولنے سے بات کا کچھ خلاصہ سمجھ لیتے ہیں۔

(۲) عام لوگ انگریزی نہیں جانتے؛ البتہ ہوٹل اور بڑے شہروں میں انگریزی سے کام چل جاتا ہے۔

(۳) مساجد کے ائمہ میں سے بعض حضرات قدرے عربی سے واقفیت رکھتے ہیں؛ اس لیے کبھی کبھی کچھ کام اس سے بھی چل جاتا ہے، البتہ مقامی رہبر بھائی منصور صاحب انگریزی زبان جانتے تھے؛ اس لیے ترجمانی میں وہ معاون بنے اور بڑی مشکل بات یہ ہے کہ دکان، ہوٹل ہر جگہ لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں، عام کام کاج

وغیرہ میں اس قدر عورتیں دوسری جگہ کم دیکھنے میں آئیں۔

خیر! ہم ایک جگہ عصر کی نماز کی نیت سے ٹھہر گئے، وہاں بہترین بغیر دودھ والی چائے سے اور ہمارے ساتھ جو ذخیرۂ طعام تھا اس سے پورا قافلہ محظوظ ہوا، اور کچھ مقامی حضرات بھی شامل ہوگئے، ہوٹل کے پچھلے والے حصے میں ایک ندی بہہ رہی تھی، جس کا پانی بہت ہی ٹھنڈا اور وافر مقدار میں تیزی سے بہہ رہا تھا اور اس کے کنارے پر بہت خوب صورت نشست گاہیں بنی تھیں، جہاں بیٹھ کر کھانا وغیرہ کھایا جاسکے۔

تمام حضرات نے وضو کیا، پھر ندی کے کنارے ایک کشادہ جگہ پر اذان کہی گئی اور نماز کی صفیں لگیں تو مقامی لوگ بہت حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جس چیز کی ان کے نفوس کو تلاش تھی وہ ایک طویل عرصے کے بعد ملی، وہاں کے موجود لوگوں کو نماز کی دعوت دینے پر ہی اکتفا کرنا پڑا، وہاں پر بھی بہت سارے بچے تھے، ان کو کلمۂ طیبہ کی تلقین کی سعادت حاصل ہوئی۔

البتہ! شہروں سے دور اس قصبے میں ہوٹل پر ہندی فلمی گانیں بج رہے تھے، جو ہماری درخواست پر کچھ دیر بند کر دیے گئے، ہم حسرت و تعجب کے ساتھ دعا کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے۔

’’کرش یا کرشی‘‘ شہر میں

گزرتے ہوئے راستے میں ایک شہر آیا جس کا نام ’’کرش‘‘ بتایا گیا، وہاں ایک خوب صورت عمارت تھی، اس پر عربی زبان میں کچھ عبارتیں لکھی تھیں، وہ عمارت

دیکھ کر ہم نے گاڑی رکوادی، پتہ چلا کہ یہ عمارت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی یاد میں بنائی گئی تھی، ان کا مزار تو دمشق میں ہے؛ لیکن ان کی قبر کی مٹی لاکر ان کی یاد میں یہ عمارت بنائی گئی ہے۔

ہم اندر داخل ہوئے، عمارت میں عیسائیوں کا کافی رش نظر آیا، اس عمارت کے منتظم کو تلاش کیا گیا، انھوں نے ہم کو پوری عمارت میں گھمایا پھرایا، ایک کمرہ نہایت اہتمام سے دکھایا، جس میں کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں، ان کتابوں میں سے ایک پرانی کتاب بہت اہتمام سے دکھائی کہ یہ نوادرات میں سے ہے، وہ خود نہیں جانتے تھے کہ یہ کتاب کیا ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ کس فن کی ہے؟ اس کو یہاں کیوں رکھا گیا ہے؟ قدیم کاغذ اور شکستہ تحریر ہونے کی وجہ سے وہ اس کو نوادرات میں سے سمجھ رہے تھے، ہم نے غور سے دیکھا تو وہ منطق کی کتاب ''قطبی'' تھی اور لکھنؤ کی چھپی ہوئی تھی، اوپر کی عبارت کے ساتھ جملہ منسلک ہونے کی بناپر المسمی کے بعد ''بالقطبی'' کی شکل میں لکھا ہوا ہونے کی بناپر شاید ان کے لیے کوئی عجیب چیز تھی۔

خیر! اس میوزیم میں ہم نے ہندوستان کی مطبوعہ دو کتابیں دیکھیں، ایک ''قطبی'' جو فرنگی محل لکھنؤ کی مطبوعہ تھی اور دوسری کتاب ''التبیان'' جو نول کشور لکھنؤ سے چھپی ہوئی تھی۔

نول کشور

یہ مطبع نول کشور کسی زمانے میں لکھنؤ کا مشہور مطبع رہا ہے، اس کا نام تو غیر مسلموں جیسا ہے، باقی حقیقتِ حال اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والے ہیں، اس کتب

خانے کے مالکان نے دینی، اسلامی بہت سی کتابیں شائع کی ہیں۔ان نول کشور صاحب کے بہت سارے واقعات ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ کتابوں کا بہت زیادہ ادب واحترام کرتے تھے، سنا ہے کہ جن پلیٹوں میں کتابیں چھپتی تھی، ان پلیٹوں کو دھونے کے لیے گنگا ندی کے کنارے بھیجتے تھے؛ تاکہ ان پلیٹوں کے اندر سے جو روشنائی نکلے، اس کی بے ادبی نہ ہو اور دکان میں بھی کتابیں نہایت باادب انداز میں رکھی رہتی تھیں۔

باقی آج کل مسلمان کتاب فروخت کرنے والوں کا حال بھی بہت برا ہے، نہایت گندی نالیوں کے قریب حدیث، تفسیر کی کتابوں کو رکھ چھوڑتے ہیں، قرآن، حدیث اور دیگر کتابیں جہاں رکھی ہوں وہاں بیٹھ کر بیڑی، سگریٹ پیتے ہیں، قرآن اور کتابوں کے بیچ میں ٹی وی رکھا ہوا ہوتا ہے اور فلم دیکھی جاتی ہے، گانا بجتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں، آمین۔

الغرض! جب اس میوزیم میں موجود عملہ سے میں نے بات چیت کی کہ آپ کی لائبریری میں رکھی ہوئی یہ کتاب انڈیا کی چھپی ہوئی ہے تو وہ حیرت میں پڑ گئے کہ یہ کتاب جو ہمارے یہاں رکھی ہے وہ انڈیا سے کیسے آ گئی؟ وہ بھی حیران تھے، کافی وقت ہو چکا تھا؛ اس لیے ہم وہاں سے روانہ ہونے لگے۔

پوری عمارت وغیرہ کے نظارے سے فارغ ہونے کے بعد روانگی سے قبل جب رہبر سے کہا گیا کہ وہ ہمیں کسی ذمے دار سے ملائے تو ایک صاحب سے ملاقات کروائی، جب ان سے استفسار کیا گیا کہ یہ عمارت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی

طرف منسوب ہے، باہر بہت نمایاں تحریر بھی دروازے کے اوپر کندہ کرائی گئی ہے، یہاں ایسی کیا چیز ہے؟

انھوں نے بتایا کہ: امیر تیمور یا ان کے لوگ جب کبھی عربوں یا بزرگ شخصیات کے دربار میں گئے تو وہاں اگر ان کو تبرکات میں سے کوئی چیز ملی یا وہاں کی خاک میسر ہوئی تو اس کو ساتھ لاکر انھوں نے ان ہی شخصیات کے نام سے منسوب عمارت تیار کرواکے ان آثار یا تبرکات یا مٹی کو اس طرح اہتمام کے ساتھ محفوظ کیا۔ ان ہی مقامات میں سے یہ جگہ بھی ہے کہ حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے منسوب مٹی اس جگہ پر رکھی گئی تو اس پر یہ یادگار بنائی گئی ہے، اسی عقیدت کی وجہ سے زائرین اور سیاحوں کا یہاں آنا جانا رہتا ہے۔

''نسف'' شہر

یہاں ایک بات معلوم ہوئی کہ ''نسف'' شہر یہاں سے ۵۰ر کلومیٹر دور ہے اور جب نسف شہر کا نام آیا تو ہمارے ذہن میں امام ابوالبرکات نسفیؒ اور شمس الائمہ علامہ حلوائیؒ کی یادیں تازہ ہوگئیں، شرحِ عقائد کے ماتن اور ''العقائد'' کے مصنف علامہ عمر نسفیؒ ذہن پر چھا گئے۔

راستے کے خوب صورت پہاڑ اور سدِّ ذوالقرنین کی یاد

راستے میں ہم لوگ خوب صورت مختلف رنگ کے پہاڑ دیکھتے ہوئے اور ازبکستان کی اصلی دیہاتی زندگی کا نظارہ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، بعض جگہ

پر پہاڑ ایسے عجیب وضع کے تھے جیسے کہ با قاعدہ دیوار بنائی گئی ہو، جب ان پہاڑوں کو دیکھا تو گاڑی میں یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ سدِّ ذوالقرنین کہاں پر واقع ہے؟ اس لیے کہ قصص القرآن میں مولانا سیوہارویؒ نے اور دوسرے مفسرین نے جو مختلف رائے لکھی ہیں اس میں ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ روس کے اس علاقے میں اس دیوار کے ہونے کے امکان ہے۔

اس سفر میں ہم نے دیکھا کہ پتھر کے بنے ہوئے کچے مکانات ہیں، گدھے اور خچر پر لوگ سواریاں کر رہے ہیں، راستے میں ایک جگہ پر دیکھا کہ پہاڑ پر ٹرین کا انجن ہے، بتایا گیا کہ یہ روسی حکومت کے زمانے میں کسی ٹرین کا انجن تھا، بطورِ یادگار پہاڑ پر رکھا گیا ہے۔

بخارا شہر میں حاضری

کافی رات گئے ہم بخارا پہنچے، ہمارے قیام کے لیے جو ہوٹل تجویز کی گئی تھی، وہاں جا کر ہم کو پتہ چلا کہ الحمد للہ! ہم لوگ بہت ہی خوش نصیب ہیں کہ جس جگہ پر ہماری ہوٹل واقع ہے، یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت امام بخاریؒ کا محلّہ تھا، جہاں امام بخاریؒ رہا کرتے تھے، آپ کا خاندان جہاں آباد تھا، اسی محلے میں الحمد للہ! یہ ہوٹل واقع تھا۔

پھر دوسری عجیب بات یہ تھی کہ اس ہوٹل کے سامنے وہ مسجد ہے جس کو مسجد ''جامع امام بخاریؒ'' کہا جاتا ہے، جس میں نہ جانے کتنی مرتبہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کا درس دیا ہوگا، وہ مسجد بالکل ہوٹل کے سامنے ہے اور مدرسہ ''میر عرب'' وہ

بھی بالکل اسی مسجد کے سامنے تھا۔

مدرسہ میر عرب

یہ مدرسہ میر عرب ازبکستان کا مشہور مدرسہ ہے کہ کمیونسٹوں کے آنے کے بعد جب تمام دینی درسگاہوں پر پابندی لگادی گئی تو پورے ملک میں یہی ایک مدرسہ تھا جس میں کچھ نہ کچھ دینی تعلیم باقی رہی، اس کو امام بخاریؒ کی کرامت سمجھنا چاہیے کہ کمیونسٹوں کے ظلم وتشدد کے دور میں بھی اس مدرسے میں کچھ نہ کچھ دینی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

میر عرب مدرسے کے بلند وبالا دروازے پر یہ حدیثِ پاک لکھی ہوئی ہے:

من كان فى طلب العلم كانت الجنة فى طلبه.

ترجمہ: جو شخص علم کی تلاش میں ہوتا ہے تو جنت اس کی تلاش میں ہوتی ہے۔

آج کل اس مدرسے میں تقریباً دوسو طلبہ کے ٹھہرنے کا انتظام ہے، یہ دو منزلہ خوب صورت مدرسہ روسی انقلاب کے ہاتھوں سے بچا رہا۔

اس وقت پورے ازبکستان میں صرف دو مدرسے ہیں: ایک مدرسہ میر عرب اور دوسرا مدرسہ گوگل داس جو ہم نے تاشقند میں دیکھا تھا، باقی پورے ملک میں کہیں دینی تعلیم کا نظام نہیں رہا۔

منگل کا روز بخارا شہر میں

ہم نے رات کو عشا کی نماز ہوٹل ہی میں ادا کی اور صبح صبح اکابرین حضرات

امام بخاریؒ کی مسجد میں نماز پڑھنے گئے تو سخت حیرت ہوئی کہ فجر کی نماز کا وقت ہونے کے باوجود مسجد شریف میں نہ آدم، نہ آدم زاد۔ یہ حضرات مسجد میں گھومے پھرے، اس اثنا میں اسی ملک کے ایک دور و دراز علاقے کے تین افراد اور آ گئے وہ بھی باجماعت نماز کی طلب کی نیت سے مسجد میں آئے تھے۔

کسی زمانے میں ہزاروں مسلمانوں کی حاضری دیکھنے والے یہ منبر و محراب، جس کے نمازیوں میں علما، طلبہ، صلحا، مشائخ اور اولیا شامل ہوا کرتے تھے، آج فجر کی اذان کو ترس رہے تھے، اسی صورتِ حال کو دیکھ کر شاعرِ مشرق علامہ اقبال کا وہ تاریخی جملہ دل و دماغ میں گھومنے لگا، جس کو حکیم احمد شجاع نے اپنی کتاب ''خون بہا'' میں یوں نقل کیا ہے، علامہ لکھتے ہیں:

مکاتب و مدارس کی اہمیت

ان مکتبوں کو اسی حال میں رہنے دو، غریب مسلمان کے بچوں کو اِن ہی مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ مُلّا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں، اگر برِصغیر کے مسلمان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا، جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا وہاں اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔ (بحوالہ ماہنامہ الرشید لاہور، دارالعلوم دیوبند نمبر)

اللہ تعالیٰ حفاظت فرماوے، آمین۔

اللہ تعالیٰ کا فضل اور مولانا رحمت اللہ صاحب کی کرامت

فجر کی نماز میں ایک عجیب کرامت سامنے آئی، ہم لوگ راستے میں تذکرہ کر رہے تھے۔ مولانا رحمت اللہ صاحب سے عرض کیا کہ: آپ کا ''النور'' رسالہ پوری دنیا میں جاتا ہے، اس ملک میں کہیں آتا ہے؟

انھوں نے بانڈی پورہ فون کیا اور پوچھا کہ: اپنا النور رسالہ ازبکستان میں کہیں آتا ہے؟

بتایا گیا کہ: ازبکستان میں ایک صاحب پر یہ رسالہ جاتا ہے۔

انھوں نے بانڈی پورہ النور کے دفتر سے ٹیکس میسج کے ذریعہ اس خریدار کا پتہ منگوایا، فون نمبر تو نہ مل سکا، اتفاق کی بات کہ وہ رسالہ مرغینان جاتا تھا، جہاں صاحبِ ہدایہ رہا کرتے تھے؛ لیکن فون نمبر نہ ہونے کی وجہ سے مسئلہ یہ تھا کہ اب کیسے اس آدمی کو تلاش کیا جائے۔

جامع امام بخاری

یہ حضرات جامع امام بخاری میں فجر کی نماز پڑھنے گئے، امام بخاریؒ جس مسجد میں درس دیتے تھے، وہ مسجد اس وقت اتنی عالیشان اور وسیع ہے کہ تقریباً بیس ہزار آدمی بیک وقت اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن اس وقت مسجد کے حی علی الصلوۃ والے ایک چھوٹے سے حصے میں نماز ہوتی ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ

فجر کی نماز میں صرف یہ زائرین مصلی تھے، باقی پوری مسجد نمازیوں سے خالی تھی۔

ان اکابر کے علاوہ تین مصلی اور بھی تھے، ان میں ایک النور رسالے کے خریدار جو مرغینان کے رہنے والے ہیں- مرغینان وہاں سے بہت دور ہے- وہ بھی وہیں اس مسجد میں نماز کے لیے موجود تھے، نماز کے بعد گفتگو سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہی النور رسالے کے خریدار ہے، وہ کسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت الاستاذ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم عالیہ کے پاس ترمذی شریف پڑھنے آئے تھے، حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈوران صاحب کو اوران کے دو مقامی رفیقوں کو اپنے ساتھ ہوٹل پر لائے، ان کے ساتھ امام صاحب بھی آ گئے اور کافی دیر تک وہاں کے حالات کے متعلق بات چیت ہوئی، ان کے ذریعہ بہت ساری خفیہ معلومات حاصل ہوئیں، ساتھ میں ناشتہ ہوا، وہ حضرات وہاں کی خاص چیزیں لے آئے، جانبین سے " تھادوا تحابوا "والی حدیث شریف پر عمل کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر ہوٹل سے نکلتے وقت مشورہ ہوا کہ کون کونسی تاریخی جگہوں کی زیارت کے لیے جانا ہے، اسی مشورے کے بعد حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم اور مولانا رحمت اللہ صاحب زید لطفہ اور بندہ محمود غفرلہ ہم تین حضرات امام بخاریؒ کی مسجد کو دیکھنے کے لیے گئے۔

مسجد کے درمیان میں ایک چبوترہ ہے، بتایا گیا کہ اس چبوترے کے نیچے کنواں ہے، جب چنگیز خان کے زمانے میں حملے ہوئے اور اس مسجد میں سینکڑوں لوگوں کو

شہید کیا گیا تو ان تمام شہدا کو اس کنویں میں ڈالا گیا اور اس پر چبوترہ بنادیا گیا۔

جامع امام بخاری میں درسِ بخاری

وہ چبوترہ اس مسجد جامع امام بخاریؒ کے صحن میں واقع ہے، ہم اس چبوترے کے اوٹے پر بیٹھے، مولانا رحمت اللہ صاحب نے حضرت سے درخواست کی کہ یہاں بیٹھ کر درس ہو جائے تو تبرک حاصل ہو جائے، تو فوراً حضرت نے بخاری شریف کی پہلی حدیث تلاوت فرمائی اور حدیث شریف کی سند پڑھی اور پرسوز دعا کروائی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس جگہ جہاں بیٹھ کر امام بخاریؒ نے نہ جانے کتنے انسانوں کو صحیح بخاری کا درس دیا ہوگا، آج اس جگہ بیٹھ کر بخاری کی پہلی حدیث، سند اور دعا کی ہم کو سعادت حاصل ہوئی۔

مسجد سے واپسی پر ہوٹل آ کر ہم سب ساتھی تیار ہوئے اور گاڑی میں بیٹھ گئے، اس وقت میں نے عرض کیا کہ: میں نے سنا ہے کہ بخارا کے باہر حضرت کعبِ احبارؒ کا مزار ہے؛ لہٰذا ان کے مزار کی زیارت کے لیے بھی چلیں گے، شہر سے باہر کافی دور ایک بنجر و ویران جگہ پر ہم پہنچے، وہاں کعب احبارؒ کا مزار ہونا بتلایا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ رمزی ہو، اس کی زیارت کے بعد ہم شہر بخارا واپس آئے۔

قصرِ عارفاں میں

پرانے زمانے کا یہ بڑا وسیع وعریض احاطہ ہے جس میں بہت سارے اولیا، علما مدفون ہیں۔ عالیشان مسجد، خانقاہ، مدرسہ اور قیام گاہ قدیم طرز سے بنی ہوئی ہیں،

ان تمام عمارتوں میں بہت ہی مضبوط اور اعلیٰ قسم کی لکڑی استعمال ہوئی ہے اور صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان عمارتوں میں شکستگی اور ویرانگی معلوم نہیں ہوتی، بہت ہی خوب صورت نقش ونگار ہیں اور ایک ہی درخت کی اونچی طویل مضبوط لکڑیوں کے بنے ہوئے ستون ہیں، یہ پورا احاطہ ظاہری اور باطنی دونوں حسن سے معمور معلوم ہوتا ہے، اسی احاطے میں ایک طرف خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ کا مزار ہے۔

شیخ بہاؤالدین نقشبندیؒ

قصرِ عارفاں کے اسی احاطے میں حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبندیؒ کا مزار ہے، جو سلسلۂ نقشبندیہ کے بانیوں میں شمار کیے جاتے ہیں، ان کے مزار پر حاضری ہوئی، مولانا رحمت اللہ صاحب نے بتلایا کہ: ان کے خاندان کے ایک آدمی ڈاکٹر عاشق نقشبندی سری نگر کشمیر میں رہتے ہیں۔

حضرت شاہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ کے اورادواذ کار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ–والد شاہ ولی اللہ صاحبؒ– نے فارسی زبان میں جمع کیے ہیں، اس کا اردو ترجمہ بھی ہوا ہے۔

حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبندیؒ کی کرامت

حضرت خواجہ بہاؤالدینؒ کی ایک کرامت بتلائی جاتی ہے کہ وہ ایک مرتبہ حج کے سفر میں تشریف لے گئے تو ریگستان میں وہ کسی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے، رات خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے حضرت خواجہ بہاؤالدینؒ کو ایک لکڑی عنایت فرمائی۔

صبح جب وہ بیدار ہوئے تو واقعۃً ان کے سامنے وہ لکڑی رکھی تھی، وہ لکڑی خواجہ صاحب لے آئے اور اس کو اپنی خانقاہ کے پاس لگا دی، بعد میں وہ لکڑی ہرا بھرا شہتوت کا درخت بن گئی اور صدیوں تک وہ درخت سلامت رہا۔

اِس وقت درخت کا تنہ وہاں موجود ہے، لوگ آتے ہیں اور حسبِ عادت اس میں سے لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے وغیرہ توڑ کر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی خانقاہ کے علاقے کو ''قصرِ عارفاں'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان کے مزار کی زیارت کے بعد ہم لوگ آگے بڑھے۔

فتاویٰ قاضی خان کے مؤلف

ہم یہاں سے نکل کر قاضی خانؒ کے مزار کے لیے روانہ ہوئے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''فتاوی قاضی خان'' کے مؤلف، جن کا نام حسن بن منصور اوزجندیؒ ہے، ۵۹۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

قاضی خانؒ کے مزار پر

بتایا گیا کہ: یہاں بخارا میں ایک جگہ ہے جس کو ''چار مینار علاقہ'' کہا جاتا ہے، وہاں قاضی خان کا مزار ہے۔ ہم ان کے مزار پر پہنچے، یہاں پر وہی حال، نہ کوئی زیارت کرنے والا، نہ کوئی سیاح، نہ کوئی آنے جانے والے بالکل سناٹا۔

ایک محلے کے بیچ میں قاضی خان کا مزار ہے۔ وہاں بیٹھے، ایصالِ ثواب کیا اور پھر ہم وہاں سے نکل آئے۔

مساجد و مدارس کا شہر

بخارا کے متعلق ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس شہر میں کسی زمانے میں ایک سو تیس (۱۳۰) مدارس تھے؛ لیکن ان تمام مدارس کو کمیونسٹوں کی حکومت آنے کے بعد اسکول (school) میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور آج بھی وہ اسکول اور یونیورسیٹیوں کی حالت میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ ازبکستان کے مسلمانوں کو توفیق عنایت فرمائیں کہ وہ ان اسکولوں کو دوبارہ مدرسوں میں تبدیل کریں؛ تاکہ ایک بار پھر یہاں سے ''قال اللہ، قال الرسول'' کی صدائیں گونجے۔

اور بخارا شہر میں آج بھی تین سو (۳۰۰) مساجد ہیں؛ اسی لیے اس کو مساجد و مدارس کا شہر کہا جاتا ہے۔

امام ابو حفص کبیرؒ کے مزار پر

امام حسن بن منصور قاضی خانؒ کے مزار کی زیارت کے بعد ہم آگے ایک بہت بڑے قبرستان میں گئے، اس میں سینکڑوں علما اور مشائخین کے مزار ہیں، خاص طور پر جو چیز اس قبرستان میں کشش کی تھی وہ امام ابو حفص کبیرؒ کا مزار تھا، جو امام محمدؒ کے شاگردوں میں سے ہیں اور حضرت دامت برکاتہم نے تاریخ کے اعتبار سے مجھے یہ بتایا کہ بخارا اور اس علاقے کے یہ سب سے پہلے عالمِ دین ہیں، جن کی برکت سے اس علاقے میں علمِ دین کی نشر و اشاعت ہوئی۔ یہ امام بخاریؒ کے استاذ بھی ہیں، ان کے مزار پر ہم پہنچے۔

دوگنبد والی مسجد

وہاں پر ایک عجیب مسجد دیکھی، جس مسجد پر دو حصوں میں گنبد بنایا گیا تھا، آدھا گنبد نیچا اور آدھا گنبد اونچا ہے، ایک ہی گنبد کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اونچا نیچا بنایا گیا ہے، یہ ایک عجیب فنِ تعمیر کا نمونہ دیکھا۔

مسجد نہایت خوب صورت ہے، اس کے ارد گرد چمن بھی بہت ہی پر کیف ہے، مسجد میں ہندوستان کی Ajanta کمپنی کی بنی ہوئی گھڑی لگی ہوئی تھی۔

وہاں کے جو امام صاحب تھے ان کے ساتھ بھی بہت ساری بات چیت اور گفتگو ہوئی، اس گفتگو کے دوران ہم نے ان سے بھی قرآنِ مجید کی تعلیم اور مکتب کے سلسلے میں بات کی تو وہ اخیر میں کہنے لگے کہ: ''سوال کو سوال ہی رہنے دو، بہت سے سوالوں کے جواب ہم سے طلب مت کرو، اس ملک کے حالات کچھ ایسے ہیں کہ ہم بہت سے سوالوں کے جواب آپ کو نہیں دے سکتے، یہاں کون آدمی جاسوس ہو، کہہ نہیں سکتے؟ اور اس سلسلے کی گفتگو بند ہی کر دو۔

امام صاحب بہت اکرام کے ساتھ پیش آئے، ہماری گاڑی تک ہم کو رخصت کرنے آئے اور ہم گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔

سمرقند کی طرف روانگی

چوں کہ بخارا سے آگے ہمارا سفر سمرقند کا تھا، مشورہ ہوا کہ کیسے جانا ہے؟

یہ منگل کا دن تھا اور ہم لوگ آگے سمرقند کے لیے روانہ ہونے والے تھے،

پہلے یہ طے ہوا کہ ٹرین سے جائیں؛ لیکن پھر میں نے آہستہ سے کہا کہ: ٹرین سے جانے میں ایک دو اہم زیارت چھوٹ جائے گی؛ اس لیے کہ ٹرین بخارا سے سیدھا سمرقند پہنچا دیتی ہے، کار سے جانے ہی میں فائدہ ہے، الحمدللہ! یہی طے ہوا اور ہم لوگ شام کے وقت بخارا سے سمرقند کے لیے روانہ ہوئے۔

خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے شہر میں

بخارا سے تقریباً ہم لوگ پچاس (۵۰) کلومیٹر آگے چلے تو سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک اور بزرگ خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے شہر ''غجدوان'' میں پہنچے اور ان کی خانقاہ پر حاضری ہوئی، ان کی خانقاہ، مزار، مسجد اور مدرسے کا ایک بہت بڑا وسیع احاطہ ہے۔ خواجہ عبدالخالقؒ حضرت امام مالکؒ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

خواجۂ جہاں یعنی حضرت خواجہ عبدالخالقؒ

حضرت مولانا ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم نے حضرت خواجہ عبدالخالقؒ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

حضرت خواجہ عبدالخالقؒ سلسلۂ نقشبندیہ کے بڑے نمایاں بزرگوں میں سے گزرے ہیں، آپ حضرت امام مالکؒ کی اولاد میں سے تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ لوگ ''خواجۂ جہاں'' کے لقب سے پکارتے تھے۔ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک سبق تلقین فرمایا تھا، جو سلسلۂ نقشبندیہ کا مکھن کہلاتا ہے اور اس کا نام ''تہلیلِ خفی''، یعنی حبسِ دم کا ذکر ہے، آپ کے شش کلمات سلسلۂ نقشبندیہ کی

بنیاد بنے ہیں:

خلوت در انجمن	سفر در وطن
نظر بر قدم	ہوش در دم

وغیرہ اصطلاحات آپ نے جاری کیں۔(لاہور سے تا خاکِ بخارا وسمرقند:۱۰۸)

بھائی عبدالرحمٰن کی طرف سے بھائی منصور جو اس علاقے کے مقامات کے ہمارے رہبر تھے، وہ بھی نقشبندیہ سلسلے سے جڑے ہوئے ہیں، ان سے مزید ایک جملہ یہ بھی سنا:

دست بہ کار، دل بہ یار

یعنی کوئی بھی کام میں ہو ہمارا دل یار (اللہ تعالیٰ) کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، وہاں ایصالِ ثواب اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد ہم پھر گاڑی میں سوار ہوئے۔

خواجہ بایزید بسطامیؒ

غجدوان سے صرف پانچ کلومیٹر آگے چلے کہ ایک قبرستان سے ہمارا گزر ہوا، ایک ٹیلے پر قبرستان میں خواجہ بایزید بسطامیؒ کے مزار پر پہنچے، وہاں ایصالِ ثواب، دعائے مغفرت سے فارغ ہوئے۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ سلسلۂ نقشبندیہ کے عظیم المرتبت بزرگوں میں سے تھے، ان کے متعلق جنید بغدادیؒ نے فرمایا:

”بایزیدؒ کا مقام اولیاء اللہ میں ایسا ہے جیسے کہ جبرئیل علیہ السلام کا مقام ملائکہ میں“

بخارا سے سمرقند جاتے ہوئے ایک جگہ ”کارن پٹہ“ کہلاتی ہے، یہاں پر

ایک شہر آباد ہے، اس شہر کے بڑے قبرستان کے ایک ٹیلے پر حضرت خواجہ صاحبؒ کا مزار پرانوار واقع ہے، وہاں فیضان کی بارش ہورہی تھی:

شمعِ مزار ہے، نہ کوئی سوگوار ہے	تم جس پہ رورہے ہووہ کس کا مزار ہے!

وہاں بھی عورتوں کی بھیڑ تھی، دو چھوٹے چھوٹے معصوم لڑکے اور لڑکیاں ہم نے ان کو قریب کرنے کی کوشش کی اور ہم نے ان کو کلمۂ طیبہ پڑھانے کی کوشش کی، میں بہت دکھ سے کہوں گا کہ ''اس پورے سفر میں جتنے مسلمان بچے اور بچیوں سے ملاقات ہوئی، ان میں سے نویں (۹۰) فیصد بچے اور بچیوں کو کلمہ پڑھنا نہیں آتا تھا'' جب ہم ان کو کلمہ پڑھانے کی کوشش کرتے تو بہت مشکل سے وہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھ پاتے تھے؛ لیکن '' محمد رسول اللہ ''والا جز تو پڑھ ہی نہیں پاتے تھے، بڑی مشکل سے بعضوں کو پورا کلمہ یاد ہوا۔

سمر قند شہر میں حاضری

پھر حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار سے نکل کر ہم گاڑی میں سوار ہو کر آگے سمر قند کے لیے روانہ ہوگئے، منگل کی رات دیر گئے ہم سمر قند پہنچے، وہاں جا کر ہم لوگ سو گئے، جب صبح ہوئی تو یہ بدھ کا دن تھا، سمر قند میں آج سب سے پہلے سب سے بڑا اشتیاق کا کام یہ تھا کہ ہمیں امام بخاریؒ کے مزار پر حاضری دینی ہے، یہ آج سب سے زیادہ طلب اور تڑپ کی چیز تھی۔

حضرت مفتی صاحب کا عجیب خواب

صبح ناشتے کے لیے ہوٹل کے تہہ خانے میں انتظام تھا، ناشتے کے دستر خوان

پر حضرت مولانا ابراہیم صاحب، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب، حضرت مولانا محمود صاحب کھیراں والے یہ سب حضرات تشریف فرما تھے اور مختلف تاریخی علمی موضوعات پر بات چل رہی تھی، بھائی عابد دنگمار صاحب اور محمود کو اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کی خدمت کا موقع حاصل ہوا، اسی دوران حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے اپنا ایک عجیب خواب بیان فرمایا، تمام حضرات ہمہ تن متوجہ ہو کر سننے لگے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا: یہ خواب میں نے آج سے چالیس (۴۰) سال پہلے دیکھا تھا؛ لیکن کسی کو نہیں بتلایا۔

خواب یہ تھا کہ: میں نے دیکھا کہ علمائے کرام کی ایک جماعت جس میں مولانا قمرالدین اور مولانا شمس الدین ہیں، سب کے ساتھ میں بخارا و سمرقند کا سفر کر رہا ہوں، الحمدللہ! آج چالیس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ خواب پورا فرمایا۔

اور یہ شمش الدین اور قمرالدین دو نام لغوی معنی میں ہیں۔

اللہ کے ایک ولی کے خواب کی تعبیر والے سفر میں میرے جیسے سیاہ کار کی شمولیت یہ باری تعالیٰ کا محض فضل ہے۔

ساتھ میں حضرت یوسف علیہ السلام والی بات یاد آگئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں جو خواب دیکھا تھا، جس کا تذکرہ خود باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِأَبِيْهِ يٰاَبَتِ اِنِّيْ رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِيْ سَاجِدِيْن. (يوسف: ٤)

ترجمہ: (وہ واقعہ سنو) جب کہ یوسف (علیہ السلام) نے اپنے ابا سے کہا کہ:

اے میرے ابا! یقیناً میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاندکو دیکھا کہ وہ میرے سامنے سجدہ کررہے تھے۔

اس خواب کے متعلق بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ: وہ خواب بھی چالیس سال کے بعد پورا ہوا تھا۔

امام بخاریؒ کے مزار پر

ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد امام بخاریؒ کے مزار پر ''خرتنگ'' جانے کے لیے سوار ہوئے، خرتنگ کسی زمانے میں سمرقند سے باہر رہا ہوگا، اب تو سمرقند شہر اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ خرتنگ خود سمرقند شہر میں آ گیا ہے۔

خرتنگ کی تحقیق

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

''خر'' کے معنی ہیں: گدھا اور ''تنگ'' کے معنی ہے: کمی۔ یہ سمرقند سے دس میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور آباد ہے، وہیں امام بخاریؒ کا مزار ہے، مزار کے ساتھ ایک خوب صورت مسجد بھی ہے، میں نے اس مسجد میں نماز پڑھی ہے۔

کہتے ہیں: حضرت الامامؒ کی وفات سن کر اتنی بڑی تعداد میں لوگ وہاں پہنچے کہ سواری کے گدھے کم پڑ گئے، اس وجہ سے اس گاؤں کا نام خرتنگ پڑ گیا یا اور کسی بڑے آدمی کی وجہ سے یہ صورت پیش آئی ہوگی؛ اس لیے یہ نام مشہور ہو گیا۔ (تحفۃ القاری: ۱/۴۰)

ہم لوگ روانہ ہوئے، ایک عجیب شوق تھا اور امیدوں اور آرزؤں کے خواب میں ہم مشغول تھے کہ امام بخاریؒ کے مزار کی جانب ہم بڑھ رہے ہیں۔

جب ہم امام بخاریؒ کے مزار والی جگہ پر پہنچے، بخاری پڑھنے والے جانتے ہوں گے کہ امام بخاریؒ پر جب ''خلقِ قرآن'' کے مسئلے میں آزمائش کا دور آیا اور بخارا والوں نے آپ کو نکالا، سمرقند والوں نے آپ کو آنے سے روکا، آپ پر پابندی لگادی تو آپ خرتنگ میں اپنی خالہ جان کے یہاں پہنچے اور وہیں زندگی کے آخری ایام گزارے اور یہیں آپ کا انتقال ہوا، غریب الوطنی میں آبائی وطن سے دور آپ نے شہادت کی وفات پائی۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

مَنْ مَاتَ غَرِيْباً اَوْ غَرِيْقًا مَاتَ شَهِيْداً. (حلية الأولياء)

یعنی جس کا انتقال اپنے وطن کے علاوہ دوسری جگہ ہوجائے یا پانی میں ڈوب کر مرجائے وہ شہید ہے۔

ہم وہاں پہنچے، ایک بہت بڑا وسیع احاطہ! ہمارے جامعہ کے احاطے سے بھی بڑا احاطہ، بہت خوب صورت بنا ہوا؛ لیکن یہ دیکھ کر بہت ہی افسوس ہوا کہ امام بخاریؒ جیسے امامِ عالی مقام محدث کا مزار جس احاطے میں واقع ہے، آج اس کو تفریح گاہ بنادیا گیا ہے، سینکڑوں عورتیں اور مرد، کپڑے بھی ان کے ایسے کہ میں اس کو بیان نہیں کر سکتا، جیسے یورپ کی کوئی تفریح گاہ ہو اس انداز میں لوگ گھوم پھر رہے تھے، بلا مبالغہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس بابرکت جگہ پر ایسی حرکتیں کر رہے تھے، جو دینِ اسلام

سے دور، حیا و شرم سے خالی، بالکل عیاشانہ انداز، اس کو دیکھ کر بہت ہی دکھ ہوا۔

ہم آہستہ آہستہ اندر داخل ہوئے، دروازے کی دونوں جانب بہترین ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کی نہریں چل رہی ہیں، خوب صورت درخت، بیلوں کے طویل سلسلے کی وجہ سے بڑا ہی خوب صورت اور پر کیف منظر ہے، ہم دھیمے دھیمے داخل ہوئے، سامنے ایک احاطہ آیا، وہاں سے امام بخاریؒ کا مزار نظر آنے لگا۔

پہلا احاطہ پورا ہوا، پھر دوسرے احاطے میں داخل ہوئے، یہ مزار کے چاروں طرف احاطہ ہے، ہم اس میں داخل ہوئے، اس میں ایک طرف مسجد ہے، ہم سب سے پہلے امام بخاریؒ کے مزار پر پہنچے، اس مزار پر گنبد ہے اور اس گنبد کے نیچے زمین سے تھوڑی اونچائی پر امام بخاریؒ کا مزار بنا ہوا ہے۔

یہاں پر لوگ آتے ہیں، یہاں ایصالِ ثواب کا نیا طریقہ دیکھنے کو ملا، پورے ازبکستان میں ایصالِ ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ وہاں جو مجاور ہوتے ہیں وہ آیت پڑھتے ہیں اور دعا ہوتی ہے، یہاں پر جو دو مجاور تھے وہ صحیح بخاری کی پہلی اور آخری حدیث کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کا ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور دعا کی جاتی ہے، عورتوں اور مردوں کی بھیڑ آتی ہوئی نظر آئی، ہم ایک طرف ہو کر چھاؤں میں بیٹھ گئے۔

ہم کو پتہ چلا کہ یہ جو مزار نظر آرہا ہے وہ تو بس نظیر ہے، اصل مزار تو تہہ خانے میں ہے اور یہ چیز دوسری جگہوں پر بھی دیکھنے کو ملی، جیسے آگرہ شہر میں تاج محل دیکھنے کے لیے لوگ آتے جاتے ہیں، وہاں مزار اوپر بتایا جاتا ہے؛ حالاں کہ کافی نیچے گہرائی میں جب سیڑھیوں سے اتر کر جاتے ہیں، وہاں اصلی مزار ہے، اسی طرح برما کے

رنگون شہر میں بہادر شاہ ظفر کے مزار پر حاضری ہوئی تو وہاں بھی اسی طرح کا ہے، اوپر کی طرف نمائشی مزار ہے اور نیچے تہہ خانے میں اصلی مزار ہے۔

الغرض! مختصر کوشش کے بعد ہم کو نیچے تہہ خانے میں جانے کی اجازت مل گئی، چابی لے کر ایک ذمے دار صاحب حاضر ہوئے، تالا کھولا اور الحمد للہ! امام بخاریؒ کا مزار جس تہہ خانے میں ہے اس میں جانے کا اللہ تعالیٰ نے ہم کو موقع عنایت فرمایا۔

ہم سیڑھیوں سے اتر کر نیچے قبر کے پاس پہنچے، جہاں یہ عظیم ہستی اس وقت آرام فرما ہیں، وہ امام جس کو "امیر المؤمنین فی الحدیث" کا لقب ملا، جس کے شاگرد حدیث میں سینکڑوں ہزاروں نہیں؛ بلکہ لاکھوں ہیں، جب کہ اس زمانے میں محدثین کے ہجوم میں حدیث کا اِملا کرنے والوں کی روشنائی کی دواتوں کی تعداد ہی ہزاروں میں ہوا کرتی تھی، رہتی دنیا تک کے لیے جس عظیم شخصیت نے وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جس سے آج تک علما، صلحا، ائمۂ دین، مجتہدین، محدثین، محققین، فقہا، مفسرین اور صوفیا فیض حاصل کرر ہے ہیں، وہ آج یہاں اس حال میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی نورانی مخلوق ملائکہ کے جلو میں آسودۂ خواب ہیں کہ آس پاس دور دور تک ان کے کارنامے کا کوئی سلسلہ اور نام ونشان نظر نہیں آتا، نہ ہی ان باتوں کا کوئی تذکرہ کرنے والا!!!

دنیا جیسے باقی سیاحتی مراکز کو دیکھنے جاتی ہے، پلوں کو، تعمیرات کو، آثارِ قدیمہ میں مختلف انداز کی عمارتوں کو، بالکل اسی انداز میں آج یہاں آنے والے آتے ہیں، تصویر کھینچتے اور کھنچواتے ہیں، یہاں کی انتظامیہ نے طویل وعریض خوب صورت پارک اس کے آس پاس حسین وجمیل درخت اور پھول، پانی، کرسیوں اور سایوں کا انتظام کر

رکھا ہے، دور دور تک راستے اور آمد رفت کی سہولتیں بنادی ہیں، وضو اور حاجتِ بشریہ کے لیے مناسب انتظام بھی ہے اور آنے والا ہجوم ان تمام چیزوں سے استفادہ بھی کر رہا ہے؛ لیکن وہ یہاں سے کیا لے کر جا رہا ہے کہ یہاں کون آرام فرما ہیں؟

کوئی ان کے سامنے بیان کرنے والا نہیں، اس سلسلے کا کوئی تعارف، رسالہ پمفلٹ نہیں، نہ ہی اس مشن کے کوئی جانشین علما، طلبہ، مدرسے یا درسگاہ۔

ہاں! یہ وہی امام بخاری ہیں جن کی روایاتِ حدیث کو مالکِ کائنات نے پورے عالم میں امتیاز بخشا ہے۔

وہی امام جن کی مجلس میں جب شاگرد حاضر ہوتے ہوں گے تو کبھی سماعتِ حدیث کے لیے حاضری دیتے ہوں گے۔

کبھی قرأت علی الشیخ کے لیے۔

کتنے لوگ صرف دعا یا مصافحہ یا زیارت کے لیے حاضری دیتے ہوں گے۔

طالبانِ علومِ نبوت کا ہجوم ہر وقت پروانہ واران پر نثار ہوتا رہا ہوگا۔

لیکن آج یہ مقام تماشہ گاہِ عالم ہے اور بس۔

بس اس منظر کو میں الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں، جیسے ہی ہم امام بخاریؒ کے مزار پر پہنچے، خدائے پاک کی قسم! انوار کی بارش ہو رہی ہے اور جیسے ہی ہم داخل ہوئے سب کے دل کانپنے لگے، سب سے پہلا جملہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی زبان سے زور سے نکلا کہ "یہ وہ عظیم انسان ہے جس کا پوری انسانیت پر احسانِ عظیم ہے"۔ ہم سب وہاں بیٹھ گئے، خادم نے دروازہ بند کر دیا۔

امام بخاریؒ کے مزار پر درسِ بخاری

وہاں حضرت دامت برکاتہم نے صحیح بخاری شریف کی تلاوت شروع کی، سب سے پہلے خطبہ کے بعد جب سند پڑھی اور سند میں اس جملے پر پہنچے:

''وبالسند المتصل منا الى الامام الهمام الحافظ الحجة أمير المؤمنين في الحديث أبي عبدالله محمد بن اسماعيل ''تو سب کی رونے میں چیخیں نکل گئیں، سب دھاڑے مار مار کر رونے لگے، پھر حضرت نے بخاری شریف کی عبارت پڑھنا شروع کی، پہلی آیت اور پہلی حدیث آپ نے تلاوت کی، سب ساتھی دھاڑے مار مار کر رو رہے تھے۔

حدیث کی تلاوت کے بعد حضرت دامت برکاتہم نے پرسوز و پرکیف دعا شروع کی اور اس دعا میں سب رو رہے تھے، بہت ساری چیزیں مانگی، خاص ایک یہ بات کہی گئی: اے اللہ تعالیٰ! جس سرزمین سے پوری دنیا کو علوم اور معرفت کی دولت نصیب ہوئی، آج یہ سرزمین علم وہدایت ومعرفت کی پیاسی ہے۔

اے اللہ! پھر یہاں یہ دن دکھا دیجیے کہ مدارس، مساجد، خانقاہیں آباد ہو جائیں اور قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں پھر سے یہاں گونجنے لگے۔

ہم کو جتنا وقت اندر رہنے کی اجازت ملی تھی وہ وقت ختم ہو گیا، ہم باہر آئے اور پھر سے تالا لگ گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے مزار پر حاضری یہ اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کی کرامت تھی، ورنہ ہر کسی کے لیے وہ دروازہ کھلتا نہیں ہے، الحمدللہ! ہمارے

لیے دروازہ بھی کھل گیا اور بخاری شریف کی تلاوت بھی ہوئی اور دعا بھی ہوئی، ہم دیر تک امام بخاریؒ کے مزار کے سامنے باہر والی جانب کرسی پر بیٹھ کر ذکر و تلاوت کرتے رہے۔

امام بخاریؒ کے مزار کے احاطے کی مسجد میں

پھر مزار کے قریب ایک بڑی مسجد ہے، وہاں حاضری ہوئی، وہاں پر مولانا رحمت اللہ صاحب نے آہستہ سے حضرت دامت برکاتہم سے درخواست کی کہ: حضرت! آپ کی جو عالی سند ہو، اس موقع پر اس سند سے ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں تو ''مسلسل بالاولیت'' والی حدیث پڑھ کر حضرت نے سب کو عالی سند سے اجازت مرحمت فرمائی۔

اور سند اس طرح بیان فرمائی: (مولانا مفتی) احمد خانپوری عن مولانا مفتی عبد الغنی کاوی عن حافظ عبدالرحمٰن امروہی (المعروف بہ بابا عبد الرحمٰن) عن الشاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی عن الشاہ عبدالعزیز الدہلوی۔

بخارا شہر میں مرغینان کے جس صاحب کی ملاقات ہوئی تھی- جو مولانا رحمت اللہ صاحب کے مقبول رسالہ ''النور'' کے قاری ہیں- وہ اور دوسرے بہت سارے حضرات ان کی وساطت سے ملاقات کے لیے آ گئے، ان حضرات نے ملاقات کی اور عرض کیا کہ: یہ مجمع اس طرح جمع ہو رہا ہے، وہ مناسب نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہاں حکومتی عملہ غیر متعارف افراد پر گہری نگاہیں رکھتا ہے۔

یوں اس مقام پر حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر نہایت شاداں وفرحاں

تھے؛لیکن ساتھ ہی موجودہ صورتِ حال پر افسوس کناں!

مسجد میں نماز سے فارغ ہوکر ذرا ستانے بیٹھے، مسجد میں بیٹھ کر پانچ دس منٹ خیر خبر لے کر ابھی آپس میں گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ان کے کسی رفیق نے ان کو کچھ اشارہ کیا، انھوں نے بتایا کہ: اب ہمارا یہاں بیٹھ کر گفتگو کرنا مناسب نہیں، اس کی یہاں قانوناً اجازت نہیں، صرف سیاحت کے لیے یہاں آ سکتے ہیں، کوئی مجلس نہیں جما سکتے؛ اس لیے فوراً اٹھ کر منتشر ہو جانا چاہیے؛ کیوں کہ آپ لوگ مسافر ہیں اور ہم لوگ مقامی؛ اس لیے احتیاط کرنی چاہیے، چنانچہ فوراً یہ مجلس برخاست ہوگئی۔

ایک نوجوان لڑکی کا واقعہ

ہم نے مسجد کے باہر ایک نوجوان لڑکی دیکھی، لگتا تھا کہ کسی کالج کی لڑکی ہوگی، ایک دم ماڈرن (Modern) انداز کی، ادھورے ناقص باریک کپڑوں میں، دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہو، اتفاقیہ نظر پڑ گئی، آپ کو حیرت ہوگی کہ ایسی لڑکی مسجد کے دروازے پر جتنی چپلیں تھیں ان کو سیدھا کر رہی تھی اور سب کو سلام کر رہی تھی۔

یہ منظر دیکھ کر خیال آیا کہ: اے اللہ تعالیٰ! ان کے دل میں اسلام کی عظمت تو کچھ نہ کچھ باقی ہے، خدا کرے کہ یہاں سیاسی، حکومتی پابندیاں ختم ہو جائے اور صحیح نہج سے محنت ہو تو ان شاء اللہ ایمانی بہار دوبارہ آ سکتی ہے۔

امام صاحب کی طرف سے ضیافت

اس دوران ہمارے رہبر صاحب نے یہاں کے مفتیِ اعظم صاحب جو اس

احاطے کے مسجد کے امام بھی تھے،ان سے ہماری ملاقات کے لیے وقت حاصل کرلیا تھا، چنانچہ ہم مفتیٔ اعظم صاحب کے دفتر میں پہنچے اس حال میں کہ وہاں سے کچھ لوگ نکل رہے تھے۔رہبر نے بتایا کہ: یہ لوگ نکاح خوانی کے لیے آئے تھے۔

دلہن مغربی عیسائی طرز کا لباس پہنے ہوئے ہے اور ایک دو مستورات اس کے اس چوغے کو اٹھائے ہوئے تھیں۔

رہبر نے بتایا کہ: اس سے یہ نیک فال لیا جاتا ہے کہ جنھوں نے دلہن کا چوغہ اٹھایا ان لڑکیوں کا نکاح جلدی ہوجائے گا۔

مفتیٔ اعظم صاحب نے نہایت گرم جوشی سے خوش آمدید کہا،اپنی کرسی سے اٹھ کر وہ ہم سے ملے،تعارف ہوا،سلام ودعا ہوئی،روایتی قہوہ سے انھوں نے ضیافت فرمائی،گفتگو کے دوران انھوں نے یہ شعر سنادیا کہ:

سمرقند صیقلِ روئے زمین ست	بخارا قوتِ دینِ اسلام ست

قہوہ سے فارغ ہوکر انھوں نے بہت اصرار کیا کہ ان کے ساتھ ہمارا قافلہ گروپ فوٹو بنوائے۔

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے معذرت چاہی، اس پر وہ اپنی کرسی پر تشریف لے گئے،اپنی میز سے چند فوٹو نکال کر دکھلانے لگے کہ فلاں فلاں اسلامی ملک کے ان ان علما و مشاہیر کے میرے ساتھ فوٹو ہیں،آپ کو بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے؛ لیکن ہم لوگوں نے نہایت معذرت کے ساتھ تصویر کشی سے احتراز کا موقف دہرایا،اس پر وہ اپنے مطالبے سے دست بردار ہوگئے۔

امام بخاریؒ کے مزار کے قریب میوزیم

کتابوں میں پڑھا تھا کہ وہاں ایک بڑا میوزیم (Musime) ہے، ہم اس کو دیکھنے گئے، اس میں قرآنِ مجید کے بہت سے مختلف نسخے تھے، جو دنیا کے مختلف نامور علما اور مسلمان بادشاہوں اور وزیروں نے ہدیہ کے طور پر بھیجے تھے، فلاں ملک سے یہ نسخہ آیا، فلاں ملک سے یہ نسخہ آیا۔

جب ہم یہ نسخے دیکھ رہے تھے تو ایک عجیب بات ہوئی، وہ میں آپ حضرات کو بتانا چاہتا ہوں کہ: مرد، عورت، جوان، بوڑھے، بچے سب اس کو ہاتھ لگاتے، اس کو چومتے، بوسہ لیتے، اپنی آنکھوں سے لگاتے، اس سے زیادہ کچھ نہیں کر پاتے ہیں، ان بے چاروں کو قرآن پڑھنا ہی نہیں آتا، قرآنِ مجید کی تعلیم کا کوئی ماحول نہیں، نہ کوئی مکتب، نہ کوئی مدرسہ، نہ کوئی انفرادی قرآن مجید کی تعلیم کا ماحول۔ آج اس ملک میں قرآن مجید کے نسخے بہت کم ہیں اور وہ نسخے بھی پڑھنے کے لیے نہیں، وہ صرف زیارت، دیدار، چومنے اور حصولِ برکت کے لیے رکھے جاتے ہیں۔

وہاں پر کعبۃ اللہ کے غلاف کا ایک ٹکڑا بھی ہے، جو سعودی حکومت نے اعزازاً بھیجا تھا، وہ بھی وہاں لگا ہوا ہے، وہاں ''روضۂ مبارک'' کی تصویریں بھی لگی ہوئی ہیں۔ میں آپ کو کیا بتلاؤں، ہمارے یہاں گھر گھر میں گنبدِ خضرا کی تصویریں ہوتی ہیں، مواجہہ شریف کی تصویریں ہوتی ہیں، ہمارے یہاں کا بچہ بچہ اس کو جانتا ہے، کہ یہ گنبد خضرا ہے، یہ مواجہہ شریف ہے، وہاں یہ چیزیں بھی نادر سمجھی جاتی ہیں۔

جہاں ''مواجہہ شریف'' اور ''جالی مبارک'' کی تصویریں تھیں، وہاں بہت

ساری ازبک عورتیں اور مرد بھیڑ لگا کر پوچھ رہے تھے: یہ کس چیز کی تصویر ہے؟

ان کو انگریزی میں بتایا گیا کہ: یہ ''مواجہہ شریف'' ہے۔

پھر وہ پوچھتے ہیں: یہ مواجہہ شریف کیا ہے؟

جب ان کو سمجھایا گیا تو وہ مارے خوشی کے فوراً اپنے موبائل میں ان کی تصویریں لینے لگے کہ یہ وہ مبارک جگہ ہے جہاں حضرت نبیِ کریم ﷺ آرام فرما ہیں۔

یہ بات جب آکر میں نے حضرت دامت برکاتہم کو سنائی تو سب کو رونا آ گیا کہ یا اللہ! آج جہاں امام بخاریؒ آرام فرما ہیں، وہاں لوگوں کو گنبدِ خضرا اور مواجہہ شریف اور روضۂ مبارکہ سے بھی واقفیت نہیں ہے، لوگ اس سے بھی بے خبر ہیں، اے اللہ! آج ہمارے شعائر اپنوں میں کیسے اجنبی ہو گئے ہیں!!!

پھر ہم امام بخاریؒ کے مزار کے احاطے سے باہر نکلے کہ اب ہم کو آگے جانا تھا؛ لیکن چوں کہ یہاں کافی دیر ہو گئی تھی، تقریباً ۳ر ساڑھے تین گھنٹے ہو گئے تھے اور کھانے کا تقاضا تھا؛ اس لیے سوچا کہ ایک اور زیارت کر لیتے ہیں۔

خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے مزار پر

امام بخاریؒ کے مزار سے نکل کر سمرقند شہر میں آئے، وہاں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بہت بڑے بزرگ ''خواجہ عبید اللہ احرارؒ'' کی خانقاہ اور مزار ہے (ان کا ایک عجیب واقعہ بھی ہے، جو اخیر میں حضرت دامت برکاتہم کے بیان میں آئے گا) ہم ان کے مزار پر پہنچے اور حضرتؒ کی خانقاہ والی مسجد میں ہم نے ظہر کی نماز ادا کی۔

مزار پر ایصالِ ثواب، دعائے مغفرت وغیرہ کیا، عجیب روحانی پر کیف منظر

تھا، بڑا اطمینان اور سکون کا ماحول تھا، پرانے انداز کا ایک حوض وہاں ہے، لگتا ایسا ہے کہ بہت قدیم دور سے یہ حوض چلا آرہا ہے، یہاں مسجد بھی بالکل قدیم دور کی، مضبوط لکڑیوں کی بنی ہوئی اور خانقاہ و مدرسہ بڑے وسیع پرسکون ماحول میں واقع ہے۔

''خواجہ عبیداللہ احرارؒ'' کا ایک واقعہ

حضرت مولانا ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم نے ''خواجہ صاحب'' کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ سلسلۂ نقشبندیہ کے کبار مشائخ میں سے تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا مال و دولت اتنا عطا کیا تھا کہ آپ کے اونٹ گھوڑے سونے چاندی کی کیلوں سے باندھے جاتے تھے، مولانا جامی جب بیعت کے ارادے سے حاضر ہوئے تو محفل کی یہ شان و شوکت اور طمطراق دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے ان کے دل میں تردد پیدا ہوا، آپؒ نے فرمایا: سونے چاندی کی میخیں زمین میں گاڑنے کے لیے ہوتی ہیں، دلوں میں گاڑنے کے لیے نہیں ہوتیں۔

آپؒ فرمایا کرتے تھے: اگر میں پیری مریدی کرتا تو دنیا سے کسی پیر کو کوئی مرید نہ ملتا؛ مگر مجھے تو بلند مقصد یعنی سنت کے اِحیا کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وقت کے سلاطین بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپؒ کی قبر کے قریب میں ایک شاہی مسجد بنی ہوئی ہے۔ (لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند: ۹۱)

وہاں پر ایک کتب خانہ تھا، اس میں ازبک زبان میں ترجمہ کیا ہوا قرآن مجید تھا، ازبک اور عربی زبان کی لغات بھی وہاں پر دست یاب تھی، مولانا رحمت اللہ صاحب نے وہ خرید لی اور بندے نے بھی وہاں سے ازبک زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ لیا۔

زعفران سے لکھی ہوئی یٰس شریف

وہاں پر ایک عجیب چیز دیکھی کہ یٰس شریف ایک پتلے کاغذ پر زعفران سے لکھی ہوتی ہے، جو وہاں بہت زیادہ تعداد میں رکھی ہوئی تھی۔

میں نے پوچھا: یہ کیا چیز ہے؟

بتایا کہ: یٰس شریف زعفران میں لکھی جاتی ہے، لوگ اس کو خریدتے ہیں، گھر لے جاتے ہیں اور پانی میں دھو کر اس کو پیتے ہیں، اس کو بہت متبرک سمجھتے ہیں، ہم نے بھی یادگار کے طور پر کچھ عدد خرید لی۔

لکھی ہوئی یٰس شریف پینے کی برکت

جلالین شریف کے حاشیہ میں ایک روایت لکھی ہے: جو آدمی سورۂ یٰس شریف لکھ کر اس کو پی لیوے اس کے پیٹ میں ایک ہزار دوائیں (شفا) ایک ہزار نور، ایک ہزار برکتیں، ایک ہزار رحمتیں داخل ہوں گی اور ہر بیماری اور کھوٹ نکل جاوے گی۔

بخاری پلاؤ

وہاں سے فارغ ہو کر ہم شام کا کھانا کھانے کے لیے ایک ریسٹورنٹ میں پہنچے، اس دن سمرقند میں ''بخاری پلاؤ'' کی عجیب دعوت تھی کہ وہاں سمرقند میں بخاری پلاؤ کا انداز بڑا نرالا ہے، ایک بڑے طشت میں چاول پھیلائے ہوتے ہیں، چاول کو ہمارے ہندوستانی انداز کے مقابلے میں کچھ کم پکا کر قدرے کچا رکھا جاتا ہے، پھر اس پر بڑے جانور کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے اور چھوٹے جانور کے گوشت کے

چند ٹکڑے بہترین گلے ہوئے رکھ دیے جاتے ہیں، پھر آلو کی طرح کی ایک سبزی ہوتی ہے وہ خاص انداز میں کاٹ کر چاروں طرف جمائی جاتی ہے اور مختلف قسم کے ہرے پتے اور مختلف سبزیاں اس کے حسن اور لذت کو بڑھاتی ہیں، ساتھ میں خاص قسم کا دہی جس میں کھٹاپن کا نام ونشان نہیں ہوتا، اس میں بھی کچھ مسالے ملائے ہوئے ہوتے ہیں، اس کے ساتھ جو لطف کو بڑھانے والی چیز تھی، وہ یہ کہ پورے پورے ٹماٹر میں اوپر سے ذرا سا سوراخ کر کے خاص قسم کے ہرے مسالے بھر کر اس کو ابال دیا جاتا ہے اور آٹھ دس اس طرح کے ٹماٹر ایک پلیٹ میں رکھ کر پیش کیے جاتے ہیں، اس خاص مسالے کے ساتھ ابالنے کی وجہ سے اس میں سے نکلنے والا پانی اور وہ ٹماٹر دونوں ہی بہت لذیذ معلوم ہوتے ہیں، اس طرح پر تکلف دعوت سے محظوظ ہوئے۔

کھاتے وقت یہ نیت رہی کہ اللہ تعالیٰ اس غذا سے حاصل ہونے والی قوت کو اپنے دین کی خدمت میں استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے، جسم کا حق بھی ادا ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق کو بھی ہم ادا کریں۔

کھاتے کھاتے امام بخاریؒ کے تذکرے چلتے رہے، جب کھانے کے لیے ہوٹل پر پہنچے، تو دیکھا کہ وہاں انگور کے بیلوں سے چھت بنائی گئی ہے، وہاں کے ہوٹلوں میں عام طور پر استقبالیہ میں انگور کے بیلوں کی چھت ہوتی ہے اور جو کھلے ریسٹورنٹ ہوتے ہیں، جس میں پختہ چھت نہ ہو، وہاں خاص کر انگور کی بیلوں کو پھیلا کر سایہ اور چھت بنائی جاتی ہے، آپ مبالغہ سمجھیں گے؛ لیکن سچی بات یہ ہے کہ انگور کی بیل میں

پتے کم تھے اور خوشے زیادہ تھے۔

امام بخاریؒ کے مزار سے آکر کے! اس کے نیچے بیٹھ کر ''بخاری پلاؤ''! وہ بھی صاحبِ بخاری (حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم) کی دعوت!! وہ منظر واقعۃً بڑا ہی عجیب وپُر سرور تھا۔

صاحبِ بخاری اوران کی طرف سے دعوت

بندہ نے دورۂ حدیث شریف کے سال بخاری شریف جلداول مکمل حضرت شیخ الحدیث مولانا اکرام علی صاحب بھاگلپوریؒ سے پڑھی اور جلد ثانی مکمل مشفقی حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی اوراسی سال ۱۴۳۴ھ میں پھر تدریس کے ساتھ بخاری شریف (جلدِاول از شروع تا جز ۱۰رختم ص:۳۷۶، اورجلد ثانی از کتاب المغازی تا کتاب فضائل القرآن) شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، آج کی دعوت حضرت کی طرف سے تھی جو ہمارے لیے بڑی سعادت تھی۔

قبرستانِ محمدین

دعوت سے فارغ ہونے کے بعد مشورے سے ایک قبرستان میں جانا طے ہوا، آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ سمرقند میں ایک قبرستان ہے، جس کے تذکرے ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں ''قبرستانِ محمدین'' اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں اس دور کے ''محمد'' نام کے محدثین، مفسرین علما کو دفن کیا جاتا تھا۔

اس قبرستان میں دفن ہونے کے لیے دو شرطیں تھیں:

(۱) ان کا نام محمد ہونا چاہیے۔

(۲) وہ اپنے زمانے کے مشہور محدث، مفسر اور فقیہ ہونے چاہیے۔

اس شرط کی وجہ سے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کے مؤلف علامہ برہان الدین مرغینانیؒ تک کو اس قبرستان میں جگہ نہ مل سکی اور ان کو قبرستان سے باہر ایک جگہ دفن کیا گیا ہے، اس قبرستان میں تحقیق کی تو بتایا گیا کہ تقریباً چار سو (۴۰۰) محمد نام کے مشہور علما کو دفن کیا گیا ہے، ہم کو وہاں جانا تھا، جب وہاں جا کر دریافت کیا تو بتایا کہ: اب وہ قبرستان نہیں ہے۔

آپ کو حیرت ہوگی کہ جب ہم اس قبرستان کے علاقے میں گئے، اس کا نام ہے ''چکار دیزا'' تو وہاں جا کر پتہ چلا کہ کمیونسٹوں کی حکومت آنے کے بعد ان ظالموں نے اس قبرستان پر بل ڈوزر چلا دیا اور ان تمام محدثین کی قبروں کو مٹا کر ختم کر دیا۔

بعض محدثین کی قبروں پر مسلمانوں نے چالاکی کر کے اپنے مکان بنا دیے اور مکان کے کمروں میں چند قبریں باقی بچ گئیں، ورنہ پورے قبرستان کو کمیونسٹوں نے مٹا کر ختم کر دیا۔

امام ماتریدیؒ کے مزار پر

امام ابو منصور ماتریدیؒ عقائد کے مشہور امام ہیں، ان کی پیدائش کی تاریخ تو معلوم نہ ہوسکی، البتہ ان کی وفات سن ۳۳۳ھ ہجری میں ہوئی ہے، یہ علمِ عقائد کے بڑے امام مانے گئے ہیں، ان کا مزار رحمہ اللہ! وہاں سلامت ہے، جس پر اس وقت

گنبد اور چاروں طرف بہترین باغیچہ بنا ہوا ہے، ہمیں نماز بھی پڑھنی تھی؛ لہذا جب ہم وضو کرنے کے لیے پہنچے تو بلا مبالغہ برف پگھلا کر جو پانی نکالتے ہیں، اتنا ٹھنڈا پانی وہاں پر تھا، اس ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے ہم نے وضو کیا اور ہم نے وہاں عصر کی نماز باجماعت ادا کی۔

امام ابو منصورؒ کی قبر کے ارد گرد بہت سارے پتھر رکھے ہوئے تھے، تقریباً ۲۴ یا ۲۶ کے قریب پتھر رکھے ہوئے تھے اور ان پتھروں پر تاریخِ پیدائش اور وفات کے ساتھ اکابر علما کے نام لکھے ہوئے تھے، بتایا گیا کہ کمیونسٹوں نے جب اس قبرستان کو ختم کیا تو قبروں پر جو پتھر لگے ہوئے تھے، ان میں سے کچھ پتھر بعد میں لوگوں کو مل گئے، وہ پتھر لوگ اٹھا لائے اور امام ابو منصور ماتریدیؒ کی قبر کے ارد گرد رکھ دیے۔

کہتے ہیں کہ: امام ابو منصورؒ کے مزار کو بھی کسی مسلمان نے اپنا وہاں مکان بنا کر محفوظ کر لیا تھا۔

حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کے مزار پر

پھر وہاں سے فارغ ہو کر ہم آگے کے مزار کے لیے نکلے ”شاہ زندہ“۔

یہ شاہ زندہ کون ہے؟

یہ حضرت نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور مفسر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، ۴۵ھ میں ان کی شہادت ہوئی ہے، یہ وہ مقدس انسان ہے جو اس علاقے میں سب سے پہلے اسلام کی دعوت لے کر تشریف لائے، ان کی برکت سے اس پورے علاقے میں ایمان و اسلام کی بنیاد پڑی،

عید کے دن وہ نماز پڑھ رہے تھے اور دورانِ نماز کافروں نے شہید کردیا تھا؛ اس لیے وہاں ''شاہ زندہ'' کے نام سے ان کو پہچانا جاتا ہے، ان کا مزار ایک اونچے ٹیلے پر ہے، ہم حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کے مزار والے ٹیلے پر آہستہ آہستہ چڑھ کر گئے، مجھے بہت فکر تھی کہ حضرت دامت برکاتہم کیسے اوپر آئیں گے؟ لیکن الحمدللہ! حضرت دامت برکاتہم بھی آہستہ آہستہ اوپر تشریف لے آئے، خاندانِ رسالت کی نسبت کی برکات اور حضرت کے قلب میں عشقِ نبوی کہ اس قدر ضعف اور بڑھاپے کے باوجود آہستہ آہستہ تشریف لے آئے۔

حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں شریک تھے اور سب سے آخر میں قبر مبارک سے نکلنے والے بھی یہی تھے۔

دروازے کی ایک جانب ایک بڑے پتھر پر آپ کا نام کندہ تھا اور ساتھ ہی یہ حدیث بھی لکھی ہوئی تھی:

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أشبه الناس بي خلقاوخلقا.

(حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاق میں اور شکل وصورت میں سب سے زیادہ مشابہ تھے)

آپ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر جب پہنچے تو انوارات کا عالم کچھ اور ہی تھا، قبر پر لکھا ہوا تھا:

لا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا.(آل عمران: ۱۶۹)

(آپ ہرگز مردہ شمار نہ کریں ان لوگوں کو جو قتل کردیے گئے اللہ تعالیٰ کے

راستے میں)

یہی وہ جگہ تھی، جہاں ہمارے اکابرین: بایزید بسطامیؒ اور ابوالحسن خرقانیؒ جیسے حضرات مراقبہ کیا کرتے تھے اور قریب میں ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔

جہاں حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کا مزار ہے، وہ بھی ایک بند جگہ ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کی برکت سے چابی آ گئی اور وہ کمرہ بھی کھل گیا، ہم کمرے میں داخل ہوئے، وہاں ہزاروں انسان تفریح کے لیے، زیارت کے لیے آتے ہیں؛ لیکن وہ کمرہ نہیں کھلتا ہے۔

ہم مزار کے اندرونی حصہ میں بیٹھے، ایصالِ ثواب کیا، پھر میں نے آہستہ سے مولانا رحمت اللہ صاحب سے درخواست کی کہ: حضرت! اس جگہ آپ دعا کروا دیجیے تو مولانا نے دعا کروائی اور ہم وہاں سے باہر نکلے۔

ان کا مزار تقریباً دس منزل کی اونچائی پر بنا ہوا ہے اور وہاں تیموری خاندان اور دوسرے علما اور مشائخین کے مزار ہیں۔

وہاں سے جب نیچے اترے تو دیکھا کہ وہاں پرانے انداز کے بیت الخلا، غسل خانے، پرانے مٹکوں وغیرہ کی یادگار باقی ہے، پانی گرم کرنے کا پرانے زمانے میں جو طریقہ تھا وہ بھی وہاں موجود ہے۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مجھ سے مسکراتے ہوئے فرمانے لگے کہ: ہدایہ پڑھانے والے حضرات ہدایہ کی عبارت سے اس کو تطبیق دیں، یہ پرانے زمانے کے مٹکے وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ یہ بھی وہ مبارک انسان ہیں، جن کی برکت سے اس علاقے میں اسلام پہنچا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا مزار اس وقت ریگستان میں کسی جگہ واقع ہے۔

آپ نواسۂ رسول اور سیدہ رقیہؓ کے فرزندِ ارجمند تھے، آپ ابتدا میں بخارا تشریف لائے، پھر کچھ عرصے کے بعد سمرقند ہجرت کر گئے، یہاں بہت سے لوگوں نے آپ سے دینِ اسلام کی روشنی پائی، سمرقند کے مضافات میں آپ کا قیام رہا، ایک مرتبہ آپ کے گھر سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر کفار نے موقع پا کر آپ کو شہید کر دیا، آپ کی قبر مبارک آپ کے گھر ہی میں بنائی گئی، قریب ہی ایک عالیشان مسجد تعمیر کروائی گئی جس کے اردگرد اونچی دیوار والی فصیلیں ہیں۔

تیمور لنگ

اور اسی سمرقند شہر میں تیمور لنگ کا مزار بھی ہے، امیر تیمور لنگ کی تاریخ پیدائش ۷۳۶ھ مطابق ۱۳۳۶ء ہے، امیر تیمور کو بچپن ہی سے سپاہیانہ کارناموں اور مردانہ کھیلوں کا شوق تھا، اس کو ہر جگہ کامیابی ملی، اس کا راز یہ تھا کہ وہ ایک شجاع ترین سپاہی، بلند حوصلہ انسان، مستقل مزاج، جفاکش اور مشکل پسند شخص تھا، دوسروں سے زیادہ متحرک اور باعمل تھا اور اتنی متوازن صفات و کردار کا حامل تھا کہ وقت کے تقاضے پر پورا اترتا تھا۔

مشہور مغربی محقق سر پرسی سائیکس کا تیمور کے بارے میں خیال یہ ہے کہ زمانۂ تاریخ میں کسی انسان نے اپنے زور سے ایسے کارنامے انجام نہیں دیے، کوئی دوسرا شخص اس کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا، بعض اوقات تو اس کی کامیابیاں انسانی طاقت سے بلند نظر آتی ہیں۔

تیمور کا ہم عصر مؤرخ شریف الدین اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ: شجاعت اور اولوالعزمی نے اسے چین سے لے کر یونان کی سرحدوں تک پورے ایشیا کا مالک وسرتاج اور شہنشاہ بنا دیا تھا۔

ان کی وفات ۱۷ر شعبان ۸۱۰ھ بروز چہار شنبہ رات کے وقت ہوئی تھی۔

دولت لنگڑے کے گھر آئی

ایک خطرناک لڑائی میں اس کی ٹانک ضائع ہوگئی تھی تب سے وہ لنگڑا ہوگیا تھا اس پر حکایتِ لطیف میں ایک بہت لطیف حکایت لکھی ہے کہ:

امیر تیمور لنگ جب ہندوستان پہنچا تو اس نے گویّوں کو بلایا اور کہا: میں نے بڑے بوڑھوں سے سنا ہے کہ اس شہر میں ماہر گویے رہتے ہیں۔

یہ سن کر ایک نابینا گویّا امیر کے پاس گیا اور گانا شروع کیا، امیر بہت خوش ہوا اور اس کا نام پوچھا۔

گویے نے کہا: میرا نام ’’دولت‘‘ ہے۔

امیر نے کہا کہ: دولت بھی اندھی ہوتی ہے؟

گویے نے جواب دیا: اگر دولت اندھی نہ ہوتی تو لنگڑے کے گھر نہ آتی۔

امیر نے اس جواب کو بہت پسند کیا اور اس کو بہت انعام دیا۔

تیمور نام کی کثرت

ازبکستان کے سفر میں یہ دیکھا کہ بہت سارے بچوں کے نام تیمور ہوتے ہیں اور وہاں تیمور نام رکھنا بہت اچھا سمجھا جاتا ہے اور تیمور لنگ کا مزار بھی ہم نے باہر سے دیکھا۔

امام دارمیؒ

شام کافی ہو چکی تھی، آفتاب غروب ہونے جارہا تھا، ہم نے طے کیا تھا کہ اب یہاں کی زیارتوں میں امام دارمیؒ کی زیارت باقی رہ جاتی ہے، گاڑی والے سے بات کر کے ہم امام دارمیؒ کے مزار کی جانب آگے بڑھے، سمرقند شہر سے بالکل باہر دیہات میں امام دارمیؒ آرام فرما ہیں، جہاں تقریباً ۲۰ رکلومیٹر کا سفر طے کر کے ہم پہنچے اور آپ کے مزار کی زیارت کی۔

یہاں کتبہ پر مرقوم ہے:

امام محمد بن عبد الله بن عبد الرحمن بن مفضل بن اجرام الدارمی السمرقندی ولد ۱۸۱ھ ۷۹۸ م،هو من شيخ مسلم والبخاری والترمذی.

نیز کتاب دارمی کے بارے میں لکھا ہے:

وهومقدم عند المحققين على سنن ابن ماجه توفی ۲۵۵ھ ۸۶۹ م.

جہاں پر آپ آرام فرما ہیں وہاں ایک عجیب منظر تھا، انگور کی بیلیں، ناسپاتی اور بہت سارے پھلوں کے کھیت، ایک چھوٹا سا خوب صورت دیہات۔

ہم شام کے وقت وہاں پہنچے، وہاں حیرت کی بات یہ معلوم ہوئی کہ اس مزار کے اردگرد جو چند مکانات ہیں، وہ امام دارمیؒ کے خاندان کے لوگوں کے مکانات ہیں اور ان ہی کے خاندان کے لوگ وہاں آباد ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے محدث امام دارمیؒ کے خاندان کے افراد ہونے کا حق ادا کر دیا، جب ہم وہاں پہنچے تو نہ کوئی جان پہچان، نہ پہلے سے کوئی اطلاع، ہم امام دارمیؒ کے مزار کے پاس جا کر بیٹھے، ایصالِ ثواب وغیرہ سے فارغ ہوئے، اتنے میں تو انھوں نے ہماری میزبانی کی تیاری کرڈالی، عجیب میزبانی، تھوڑی دیر میں تو بہت بڑی مقدار میں تازے تازے، میٹھے میٹھے انگور وہ لوگ توڑ کر لے آئے، ناسپاتی اور دوسرے بہت سارے پھلوں کا ڈھیر ہمارے سامنے لاکر رکھ دیا، اتنی بڑی مقدار میں کہ ہم کھا نہیں سکتے۔

جب کہ ان بے چاروں کی غربت کا حال یہ تھا کہ انھوں نے جو کپڑے پہنے ہوئے تھے ان پر بھی پیوند لگے ہوئے تھے اور گدھے کی سواری اور پرانے انداز کے ان کے مکانات تھے۔ امام دارمیؒ کے مزار کے باہر ٹھنڈے پانی کے چشمے جاری تھے، ہم نے وہاں وضو کیا، پھر ہم سمرقند شہر کی طرف واپس آئے۔

فقیہ ابو اللیثؒ اور علامہ مرغینانیؒ کے مزار پر

مغرب کی نماز کا وقت قریب تھا، ہم نے ہمارے سفر کے ناظم سے کہا کہ: ہم

نے سنا ہے کہ فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ کا مزار بھی یہاں پر ہے؟

بہت تلاش و جستجو اور کئی گلیوں میں گاڑی گھمانے کے بعد ہم ایک مسجد پر پہنچے، اتنے میں مغرب کی نماز کی جماعت ختم ہو چکی تھی۔

بتایا گیا کہ: یہیں فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ کا مزار ہے اور یہ ان کی مسجد ہے، وہاں جا کر ہم نے سب سے پہلے مغرب کی نماز با جماعت ادا کی، بعد میں مزار پر حاضری ہوئی، وہاں دعا، ایصالِ ثواب وغیرہ سے فارغ ہوئے۔

فقیہ ابولیثؒ سمرقند سے اٹھنے والی ایک ایسی شخصیت ہے، جنھوں نے ''تنبیہ الغافلین'' کتاب لکھ کر غافل دلوں کو جگا دیا، جن کا تقویٰ لوگوں میں بہت معروف تھا۔

ایک مرتبہ سفر پر روانہ ہوئے تو ان کے سامان سے زیادہ ان کے پاس مٹی کے ڈھیلے تھے، کسی نے پوچھا کہ: آپ اتنا بوجھ کیوں اٹھائے پھرتے ہیں؟

انھوں نے جواب دیا کہ: یہ مجھے اپنی طہارت کے لیے استعمال کرنے ہوتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ کسی کے کھیت سے بغیر اجازت کے مٹی کا ڈھیلا بھی اٹھاؤں۔

(لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند: ۹۰)

اور یہیں قریب میں صاحبِ ہدایہ علامہ مرغینانیؒ کا مزار بھی بتایا جاتا ہے، وہاں بھی حاضری ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی سعادت حاصل ہوئی۔ آج سمرقند کی تمام زیارتوں سے ہم فارغ ہو چکے تھے اور تاشقند کے لیے ہمیں روانہ ہونا تھا۔

سمرقند سے تاشقند

سمرقند سے تاشقند جانے کے لیے رات دیر سے ہوائی جہاز میں ہمارا ٹکٹ

بنا ہوا تھا، تاشقند کی فلائٹ کے لیے ہم ایئرپورٹ پہنچے، ہوائی جہاز تاخیر سے تھا، کافی رات گئے ہم تاشقند پہنچے۔

حضرت دامت برکاتہم کی تہجد

اس رات کی عجیب حالت بیان کروں؛ تاکہ چھوٹوں کا حوصلہ بڑھے اور عمل کی توفیق ہو۔

بدھ کے روز سمرقند کی پورے دن کی مسلسل مشغولیات اور تھکان، پھر رات دیر سے تقریباً دو بجے تاشقند پہنچے، تمام حضرات اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے، اللہ تعالیٰ کی اس بندے پر مہربانی ہے، کئی مرتبہ ملک و بیرون ملک میں حضرت دامت برکاتہم کی معیت میں ایک کمرے میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس پورے سفر میں ہر جگہ ہوٹل کی ترتیب اسی طرح تھی، بندے کو حضرت کے ساتھ دو آدمی والے کمرے میں رہنے کا موقع ملا اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب، بھائی عابد اور بھائی ساجد ایک ساتھ تین والے کمرے میں ہوتے اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب اور مولانا محمود صاحب کھیرواں والے ایک ساتھ دو والے کمرے میں ہوتے۔

جب ہم انتہائی تھک کر اور بالکل چور ہو کر ہوٹل کے کمرے میں پہنچے، ساتھ ہی ذہن میں صبح کا فکر سوار تھا کہ کل صبح ''مرغینان'' کا سفر کیسے ہوگا؟ بندہ نے نہایت تھکاوٹ کی وجہ سے ضروریات سے فراغت کے بعد بستر پر لیٹنے کی تیاری کر لی؛ بلکہ بندہ تو اپنی عادت کے مطابق بستر پر پڑ بھی گیا؛ لیکن یہ منظر دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس قدر تھکاوٹ کے باوجود حضرت مصلے پر کھڑے ہو گئے اور تہجد کی نماز کی نیت باندھ لی،

دل میں آیا کہ اے اللہ! یہ آپ کے کیسے بندے ہیں، بڑھاپا ہے، ضعف ہے، تھکان ہے، پھر بھی رات کے وقت آرام کے بجائے مصلے پر آ گئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو راتوں کی عبادت پر ایسی استقامت نصیب فرمائے۔

نماز سے فراغت کے بعد بہت ہی شفقت سے ارشاد فرمایا کہ: کافی دیر ہو چکی ہے، صبح صادق سے قبل آنکھ کھلے نہ کھلے؛ اس لیے کہ اب صرف دو ہی گھنٹے صبح صادق میں باقی ہے؛ اس لیے تہجد ادا کر لی، صبح صادق کے بعد اٹھ کر فجر پڑھ لیں گے۔

حضرت دامت برکاتہم کا تہجد کے لیے ایک طریقہ

ایک بیرون کے سفر کے دوران جب رات ہم کمرے میں آرام کے لیے گئے تو ایک عجیب بات ارشاد فرمائی کہ: جب سفر میں رات کے وقت دیر ہو جاتی ہے اور اسفار اور مجالس کی کثرت کی وجہ سے تھکان بھی ہو جاتی ہے تو رات کو سوتے وقت پیشاب نہیں کرتا ہوں؛ تاکہ پیشاب کے تقاضے سے آنکھ کھل جائے اور تہجد بھی ادا ہو جائے۔

اس سلسلے میں ایک دوسرا مجرب طریقہ یہ بھی ہے کہ سوتے وقت پانی زیادہ پی لیا جائے؛ تاکہ پیشاب کا تقاضا ہو اور آنکھ کھل جائے اور تہجد کی نماز چھوٹنے نہ پائے۔

بندے نے جب یہ بات سنی تو دنگ رہ گیا، اے اللہ! ہم تیرے کیسے بندے ہیں کہ زیادہ سونے کے لیے تدبیریں اپناتے ہیں اور یہ آپ کے مخلص بندے تہجد اور عبادت میں کمی نہ آئے اس کے لیے تدابیر اپناتے ہیں۔

ویسے تو سفر و حضر میں بکثرت مشاہدہ کیا کہ صبح صادق سے تقریباً ڈھائی تین

گھنٹے پہلے بیدار ہونا، ضروریات سے فارغ ہو کر طویل تہجد، پھر انفرادی طویل دعا، گریہ وزاری، پھر بارہ تسبیح کا ذکرِ جہری، پھر مسنون وظائف کا اہتمام اور صبح صادق ہوتے ہی دو سنت ادا کرنا اور فوراً مسجد جانا، حضرت دامت برکاتہم کا یہ معمول سالہا سال سے رہا ہے۔

نوٹ: یہاں پر میں حضرت دامت برکاتہم کا ایک اور عمل بتلا دوں۔

حضرت دامت برکاتہم کا سفر میں قیام کے لیے مسجد یا مدرسہ پسند فرمانا

حضرت دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: کسی کا ذاتی مکان کیسا بھی ہو، کتنی بھی وسعت والا ہو اور صاحبِ مکان کے دل میں کتنی بھی وسعت کیوں نہ ہو؛ لیکن دوسرے لوگوں کو وہاں آنے جانے میں تکلف ہوتا ہے، اسی طرح کچھ خاص لوگوں سے کچھ خاص لوگوں کو ناراضگی بھی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے استفادہ اور افادہ دونوں میں کمی آتی ہے، جب کہ مسجد، مدرسہ عام جگہ ہے، کوئی بھی آ جا سکتا ہے؛ اس لیے بیرون ممالک کے اکثر و بیشتر اسفار میں پہلے سے ہدایت ہوتی ہے کہ مسجد یا مدرسے میں قیام طے کیا جائے۔

جب اندلس کا سفر ہوا تو وہاں بھی قرطبہ شہر میں ایک رات ہوٹل میں گزاری، باقی اشبیلیا میں ایک مصلی مل گیا وہیں دو روز قیام کیا، جس کی تفصیل ان شاء اللہ اندلس کے سفرنامے میں آئے گی؛ حالاں کہ وہاں بھی پہلے ایک ہوٹل قیام کے لیے طے تھی؛ لیکن بندے نے وہاں پہنچ کر حضرت دامت برکاتہم کے مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے اس کو رد کروا دیا، جس میں کچھ پیسے بھی ضابطے کے مطابق ہوٹل والوں

نے واپس نہیں دیے۔

اور ترکی کے پہلے سفر کے موقع پر پانچوں دنوں کا مکمل قیام استنبول کے تبلیغی مرکز ''مسجد سلام'' میں رہا اور روزانہ فجر کے بعد اشراق تک ہم میں سے کسی کا بیان مرکز پر ہو جاتا؛ حالاں کہ مرکز شہر سے کافی دور ہے۔

ابھی ''گیانا'' کے ایک سفر میں ہمارے میزبان مفتی رمضان صاحب نے اپنے مکان میں ایک شاندار حجرے میں حضرت دامت برکاتہم کے قیام کا انتظام کیا تھا، پھر ان کو راضی کر کے دارالعلوم کی مسجد میں منتقل ہو گئے اور وہیں قیام فرمایا۔

اگر چہ بخارا اور سمرقند کے سفر میں دلی چاہت اور کوشش کے باوجود مسجد مدرسہ کا قیام ناممکن رہا، بادلِ ناخواستہ ہوٹلوں میں ہی قیام کرنا پڑا۔

جمعرات کا دن، صاحبِ ہدایہ کے دیار میں

آج کے دن یہ طے تھا کہ صاحبِ ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانیؒ کا گاؤں دیکھنے کے واسطے ''مرغینان'' جانا ہے، واقعی اس دن کا سفر ہمارے لیے بڑے امتحان کا سفر تھا؛ اس لیے کہ رات تقریباً دو بجے ہم اپنی ہوٹل پر پہنچے اور صبح فجر کی نماز پڑھ کر مرغینان کی طرف روانگی ہوئی، کل سفر سے تھکے ہارے بالکل چور ہو گئے تھے اور آج پھر صبح سویرے سفر۔

''فرغانہ'' کی طرف

تقریباً تاشقند سے ۴۰۰ رکلومیٹر کی دوری پر ''مرغینان'' کا علاقہ واقع ہے

اور تاجکستان کی سرحد (Border) کے علاقے میں۔یعنی ازبکستان کا بالکل سرحدی علاقہ۔فرغانہ واقع ہے۔

فرغانہ پورے ضلع کا نام ہے اور مرغینان چھوٹا سا شہر ہے، جیسا کہ ہمارے یہاں تعلقہ ہوتا ہے، پھر جیسا کہ ہمارے یہاں بڑے شہر وسیع ہوتے جارہے ہیں اور اس میں اطراف کی آبادی بھی ضم ہوجاتی ہے، اسی طرح کا کچھ منظر یہاں بھی ہے اور رشدان ایک دیہات ہے، جہاں پر صاحبِ ہدایہ علامہ برہان الدینؒ پیدا ہوئے۔

خود صاحبِ ہدایہ کے ہم وطن بادشاہ بابر نے صاحبِ ہدایہ کے گاؤں کا نام ''رشدان'' بتایا ہے۔(ظفر المحصلین: ۱۷۷)

فجر کے بعد ہم فرغانہ کی طرف نکلے۔سہانی صبح، خوشگوار ہوا، صاف فضا، شفاف موسم کے دوران فرائے بھرتی ہوئی گاڑی میں جملہ ساتھیوں نے حضرت دامت برکاتہم کے حکم سے فجر کے بعد کی تسبیحات، تلاوت اوراذکار و معمولات پورے کیے، گویا باطنی اور ظاہری دونوں طرح کے پرسکون اور اطمینان بخش ماحول نے سکینت کا سماں پیدا کردیا، قافلے والے اپنے اپنے معمولات سے فارغ ہوتے ہی یکے بعد دیگرے سبھی آرام اور طمانینت وسکینت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

اس دوران آفتاب کی شعائیں بھی اپنا جلوہ بکھیرتی ہوئی ماحول کو منور کرتی گئیں، گاڑی نے ہموار میدان کو الوداع کردیا اور پھر نہایت حسین وجمیل پہاڑیوں کا سفر طے کرنا شروع کردیا۔

ایک دریا (Rezak say) نامی سڑک کے کنارے نظر آیا، ان کی زبان

میں دریا کو ''سائی'' کہتے ہیں اوراس کے بعد خوب صورت سرنگ سے گاڑی کا گزر ہوا، وہ سرنگ اپنی بناوٹ، صفائی اورخوب صورتی میں کافی دل کش تھی، اس کا رکھ رکھاؤ بہت ہی عمدہ تھا، روشنی کا اعلی انتظام، گندگی کا نام ونشان نہیں، اس کی لچک نامی ٹنل کی لمبائی ۸۰۰/میٹر لکھی ہوئی تھی۔

بتایا گیا کہ: یہاں قریب میں ''ازبکستان'' کی سرحدیں کئی علاقوں سے ملتی ہیں، دائیں طرف تاجکستان ہے اور بائیں طرف کرزغستان اور چاروں طرف پہاڑ، پتھر، سبزہ اور درخت سب مل کر ایک خوب صورت نظارہ پیش کرتے تھے، ایک دو گھنٹے کے بعد نہایت عمدہ طرز پر سجے ہوئے ایک بازار سے گزرنا ہوا، قصبہ (Town) کی طرح یہاں نہایت سلیقے سے عارضی دکانوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں اوران دکانوں میں عورتیں سودا سلف بیچ رہی تھیں۔

ہمارے دیار میں جیسے صبح کے وقت بیکری، روٹی، نان، پایے وغیرہ دکانوں پر نمایاں نظر آتے ہیں، اسی انداز سے یہاں پر ''شیر مال'' نما ایک عمدہ اور خوب صورت روٹی تقریباً سبھی دکان پر سجی ہوئی تھی۔

ہمارے رہبر کی ہدایت کے مطابق راستے میں ایک جگہ ہم لوگ ضروریات سے فراغت اور ناشتے کے لیے اترے، دکانوں پر بیٹھی ہوئی نیم برہنہ مستورات شاید ہمارے اسلامی وضع قطع کو دیکھ کر نہایت محبت اور عقیدت سے ''السلام علیکم'' کہنے لگیں؛ لیکن تعجب اس وقت ہوا جب ایک دو خاتون نے ہم سے سوال کیا: عربستان یعنی کیا آپ لوگ عربی ہیں؟

ہمارے ایک ساتھی نے جواب دیا: عربستان نہیں، دہلی، ہندستان۔

تو سلام کرنے والی ان عورتوں نے مسکراتے ہوئے کہا: نمستے، شاہ رخ خان۔

تحقیق کرنے پر رہبر نے بتلایا کہ: ہندوستانی فلموں کو دیکھنے کا چوں کہ یہاں کافی زیادہ رواج ہے؛ اس لیے ہندوستان کے نام سے انھوں نے فلموں میں دیکھا ہوا ''وہاں کا نمستے اور وہاں کے فلمی ہیرو کے نام'' آپ کو خوشی میں بتلا رہی ہیں۔

یہ معاملہ نہایت فکرمندی کا تھا؛ لہذا ہم نے فارسی زبان میں- جس کو وہ قدرے سمجھتی تھیں- ان سے کہا: ''السلام علیکم'' سلامِ اسلام است؛ لیکن ''نمستے'' سلامِ کفار است۔ تو وہ شرمندگی کے ساتھ نہایت ندامت کا اظہار کرنے لگیں۔

صاحبِ ہدایہ کے حجرے میں

خیر! یہاں ہم لوگ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد تقریباً مزید دو گھنٹے سفر طے کر کے ''مرغینان'' پہنچے، یہاں پر قصبہ نما ایک دیہات میں سڑک سے ذرا فاصلے پر ایک مختصر سا کمرہ ہے، جس پر عالیشان گنبد بنایا گیا ہے، ایک صاحب ڈیوٹی پر متعین ہے، جو اس کمرے کے گائیڈ اور نگراں ہیں، ان کے سامنے ٹیبل پر رحل ہے جس پر چھوٹے سائز کی مطبوعہ سورۂ یاسین رکھی ہوئی ہے، چاروں طرف سیاحوں اور زائرین کے بیٹھنے کے لیے بنچ لگے ہوئے ہیں۔

جی ہاں! یہ وہ کمرہ ہے جس میں عالمِ اسلام کے عظیم الشان فقیہ علامہ برہان الدین مرغینانیؒ نے ''ہدایہ'' نامی وہ مایۂ ناز کتاب لکھی ہے، جس سے اس وقت سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ کے فقہا استفادہ کر رہے ہیں اور عرب و عجم میں اسلامی

عدالتوں میں اس کی جزئیات کے مطابق اسلامی قاضی اور جج فیصلے صادر کرتے ہیں۔

ہدایہ کتاب لکھنے کا واقعہ

یہ کتاب ''صاحب ہدایہ'' نے اس حال میں لکھی کہ مستقل ہر روز روزہ رکھتے اور گھر والوں کو بھی ان کے روزہ رکھنے کا علم نہ ہوتا، گھر سے وقتِ متعینہ پر دوپہر کا کھانا آتا، جو کونے میں رکھا جاتا اور علامہ موصوف بعد میں پورے اخفا کے ساتھ کسی فقیر کو دے دیا کرتے، اس طرح سے روزہ رکھنے کا علم ان کے گھر والوں تک کو بھی نہیں ہوا، تاہم شاگرد اور خدام ایسی باتوں سے واقف ہوتے ہی ہیں۔ ۱۳/سال تک مسلسل روزے رکھے (ایامِ ممنوعہ کو چھوڑ کر)۔

جامعہ ڈابھیل کے ایک طالب علم کا روزہ کے ساتھ ہدایہ پڑھنا

ہمارے یہاں بارڈولی میں حضرت مولانا غلام محمد دیسائی صاحبؒ تھے، طویل عرصے تک انھوں نے دینی خدمات انجام دی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔ ان کے ایک صاحب زادے عزیزم مولانا مصباح صاحب مقیم حال لیسٹر برطانیہ زمانۂ طالب علمی سے ہی نیک طبیعت ہے، جب انھوں نے سنا کہ صاحبِ ہدایہؒ نے ۱۳/سال روزے رکھ کر کتاب لکھی تو انھوں نے خود عزم کر لیا کہ میں بھی روزے کے ساتھ ہدایہ کتاب پڑھوں گا اور اس پر عمل کیا، یہ تو ایک واقعہ ہے جو علم میں آیا، ایسے نہ جانے کتنے واقعات ہوتے ہوں گے۔

آج بھی اس کتاب کی چاروں جلدوں سے پورے عالمِ اسلام کے کتب

خانے مزین ہیں، مدارس میں لاکھوں علما اور طالبانِ علوم دین دن رات پڑھتے پڑھاتے ہیں، عدالتوں میں اس کے حوالے دیے جاتے ہیں؛ لیکن یا اسفاہ! جس جگہ پر یہ کتاب لکھی گئی، اس کمرے میں بیٹھے تو اندازہ ہوا کہ رہبر شاید اس کتاب کے نام سے بھی واقف نہیں اور وہاں کے منتظمین اس مقام پر سیاحوں کی رہبری کا فریضہ انجام دے رہے ہیں؛ لیکن کتاب اور صاحبِ کتاب کے بارے میں ان کے پاس معلومات تک نہیں۔

البتہ اس کمرے کے دروازے پر انگریزی اور مقامی زبان میں صاحبِ ہدایہ کا نام اور اس کمرے میں کتاب لکھے جانے کا ذکر تھا۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

وہاں پر عجیب انوار محسوس ہو رہے تھے، میں نے آہستہ سے حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم سے درخواست کی کہ: حضرت! اس جگہ تو آپ ہی دعا کروائیں تو حضرت مولانا ابراہیم صاحب نے اس حجرے میں دعا کروائی۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی متبرک جگہوں پر دعا

قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ تفصیل سے موجود ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام جس حجرے میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی تھی اور وہاں بے موسم پھل اللہ تعالیٰ کے غیبی خزانے سے آتے ہوئے حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھے تو اسی جگہ پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا مانگی:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّه قَالَ رَبِّ هَبُ لِىُ مِنُ لَّدُنُكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَة

اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاء. (اٰل عمران: ۳۸)

ترجمہ: اس موقع پر (اسی جگہ) زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی (زکریا علیہ السلام دعا میں) بولے: اے میرے رب! آپ مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کیجیے، یقینی بات ہے کہ آپ دعا کو بہت سنتے ہیں۔

قرآن مجید کے اس واقعے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی اس طرح کی عبادت گاہ یا کسی اور یادگار جگہ پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیے، وہ قبول ہوتی ہے؛ لیکن بس اس کو اللہ تعالیٰ سے مانگنے تک ہی محدود رکھیں، وہاں دوسری رسومات، خرافات کا سلسلہ شروع نہ کیا جاوے۔ ہم فرغانہ اور مرغینان وغیرہ سے فارغ ہو کر واپس تاشقند کے لیے روانہ ہوئے۔

مرغینان سے تاشقند

ہم وہاں سے جلدی جلدی تاشقند پہنچے؛ اس لیے کہ اس دن شام کو حضرت مولانا ابراہیم صاحب اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی دہلی کے لیے روانگی تھی اور ابھی ''مصحفِ عثمانی'' کی زیارت باقی تھی؛ اس لیے بہت تیزی سے ہماری گاڑی چل رہی تھی، الحمد للہ! پانچ سوا پانچ بجے بہترین نشیب وفراز والے پہاڑی علاقہ کا طویل سفر کر کے ہم تاشقند پہنچے اور سیدھے مصحفِ عثمانی کی زیارت کے لیے Hazrat Al Imam Complex پہنچے۔

مصحفِ عثمانی کی زیارت

مصحفِ عثمانی ایک بہت بڑے کمرے میں رکھا گیا ہے، وہاں ہر وقت دو

ڈاکٹر تھرمامیٹر لیے ہوئے مقرر ہیں اور اس کمرے میں گرمی اور سردی کا درجۂ حرارت وبرودت (Temperature) ناپتے رہتے ہیں؛ چوں کہ اتنا قدیم نسخہ ہے کہ کہیں آب وہوا سے اس کو نقصان نہ پہنچ جائے، اس لیے مصحف کے نسخے کے واسطے جو ضروری حرارت وبرودت ہونی چاہیے اس کو ناپتے رہتے ہیں۔

خیر! آج کے دور میں یہ اہتمام ہو رہا ہے، صدیوں تک اس کی حفاظت باری تعالیٰ نے ظاہری اہتمام کے بغیر محض اپنی قدرتِ کاملہ سے فرمائی ہے، ہم اس کمرے میں داخل ہوئے، کمرے کے بالکل وسط میں ''مصحفِ عثمانی'' کا وہ نسخہ رکھا ہوا ہے، وسیع خط کا لکھا ہوا اور وہی پرانی طرز کی عربی کا، الحمد للہ! ہم نے اس کی زیارت کی، اس کے اطراف میں اور بھی بہت سارے قرآن کے تراجیم اور نسخے رکھے ہوئے ہیں، ہم نے ان کی بھی زیارت کی۔

گھوڑے کا گوشت

زیارت سے فارغ ہو کر ہم باہر نکلے اور عصر کی نماز ادا کی، ابھی تک دوپہر کا کھانا باقی تھا۔ بھائی عبد الرحمٰن نے وہاں کے ایک اسلامی ہوٹل میں کھانے کا نظام بنایا تھا، تحقیق سے پتہ چلا کہ یہاں حلال گوشت کا انتظام ہے، انواع واقسام کے ازبکستان کے کھانوں کا انتظام کیا گیا تھا، ایسے یہاں کے لوگ کھانے میں مرچ مسالا بالکل استعمال نہیں کرتے، کچی سبزیاں بھی بکثرت استعمال ہوتی ہیں، دہی اور سوڈا واٹر کا استعمال عام ہے، ٹماٹر بھی خوب کھائے جاتے ہیں، دوسری سبزیوں کی طرح یہاں کے ٹماٹر بھی لذیذ اور عمدہ ہوتے ہیں، ہمارے علاقے میں جیسے دیسی ٹماٹر

ہوتے ہیں، اس سے بھی کئی گنا لذیذ وہاں کے ٹماٹر ہوتے ہیں، اس کو کاٹ کر کے روٹی کے ساتھ بے تکلف کھایا جاتا ہے اور سالم ٹماٹر کو اوپر سے ذرا کاٹ کر پھر اس میں پودینہ اور دوسری سبزیاں پیس کر بھر دی جاتی ہیں، پھر اس کو خاص طریقہ سے ابال کر یا بھون کر پیش کیا جاتا ہے، جس سے وہ بڑا لذیذ معلوم ہوتا ہے۔

وہاں جب ہم ہوٹل پر پہنچے تو بھائی عبد الرحمٰن صاحب نے بتایا کہ: یہاں شرعی طریقے پر ذبح کیے ہوئے گھوڑے کا گوشت بھی ملتا ہے، سالِ گذشتہ ۱۴۳۳ھ میں تدریس کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے بخاری شریف دوبارہ پڑھنے کا موقع ملا تو دورانِ درس سنا تھا کہ روس کے ملکوں میں آج بھی گھوڑے کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

الغرض! جب ہم نے اس ہوٹل کے بارے میں سنا کہ یہاں گھوڑے کا گوشت بھی ہے تو یہ چیز ہمارے لیے بالکل نئی تھی، تو میں نے سب سے پہلے جلدی سے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے کان میں آہستہ سے پوچھا کہ: حضرت! یہاں گھوڑے کا گوشت مل رہا ہے، اجازت ہو تو ایک پلیٹ منگوائیں۔

حضرت نے انشراح کے ساتھ فوراً اجازت مرحمت فرمائی کہ ضرور منگواؤ، پہلے کبھی کھانے کا اتفاق نہیں ہوا ہے، بہت سی حلال چیزیں جس کو پہلے کھانے کا اتفاق نہیں ہوا ان میں سے ایک یہ بھی ہے، جب وہ پلیٹ تیار ہو کر آ گئی تو میں نے سب اکابر سے عرض کیا کہ: یہ گھوڑے کا گوشت ہے، سب کو چکھنا ہے تو سارے اکابر اچنبھے میں پڑ گئے، سب سے پہلے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے مجھ سے فرمایا: حضرت

سے پوچھا بھی؟

میں نے بتایا: جی! حضرت دامت برکاتہم کی اجازت سے منگوایا ہے۔

تب حضرت دامت برکاتہم نے حضرت شیخ زکریاؒ کی آپ بیتی کے حوالے سے بھی اجازت کی بات ارشاد فرمائی اور سب حضرات نے پھر اس کو کھایا۔

وہاں دیکھا گیا کہ نلی سے نکلنے والا بڑے جانوروں کا گدود کچا کھایا جاتا ہے اور اس کو اتنا شان دار، سجاوٹ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ دیکھنے میں گھانس، کسٹر کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور لوگ اس کو بڑے ذوق وشوق کے ساتھ کھاتے ہیں، ہمارے سامنے بھی اس کو پیش کیا گیا۔

دورانِ سفر مسائل بتانے میں احتیاط

ہمارے حضرت مدظلہ العالی کا معمول یہی ہے اور ہمیں تاکید بھی فرماتے ہیں کہ: جس ملک میں جائیں، وہاں اختلافی اور نزاعی قسم کے مسائل کے سلسلے میں کوئی سوال کرے تو اس کو جواب نہ دیا جائے؛ چوں کہ عامۃً اس طرح کے سوال کا مقصد صحیح نہیں ہوتا، مختلف فیہ مسائل میں ہماری رائے معلوم کرنا اور اگر رائے سائل کے موقف کے موافق ہے تو اس کو ہماری طرف منسوب کر کے اس کی خوب تشہیر کرنا اور فریقِ مخالف کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنا ہوتا ہے؛ اس لیے ایسے مسائل میں احتیاط یہ ہے کہ سائل کو یہ جواب دے دیا جائے کہ مقامی علما سے رجوع کریں۔

اور بعض مرتبہ یہ بھی مناسب ہوتا ہے کہ اس طرح جواب دیا جائے کہ آپ اپنا سوال لکھ کر دیں، ہم وطن جا کر دار الافتا سے اس کا جواب روانہ کریں گے، اس

سلسلے کے بعض بڑے علما کے سوالات اور اس پر حضرت کا نہایت معتدل، نصیحت آمیز جواب وغیرہ کے واقعات ان شاء اللہ آئندہ یورپ، کینیڈا، بار باڈوس وغیرہ کے سفر نامے میں نقل کروں گا۔

ہاں! اگر اہلِ علم ہے تو تنہائی میں علمی لحاظ سے کچھ مذاکرہ کرنا چاہے تو اس طرح کے مذاکروں میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح غیر اختلافی اور غیر نزاعی مسائل میں کوئی سوال واقعی سوال ہی ہو اور اندازہ بھی ہو کہ سائل کا مقصد کوئی فتنہ یا فساد نہیں ہے تو پھر جواب دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تاشقند سے دہلی

وہاں سے پھر حضرت مولانا ابراہیم صاحب کا قافلہ ایئر پورٹ کے لیے روانہ ہوا، حضرت مفتی صاحب کی معیت میں ہمارے برطانیہ کے ایک ساتھی بھائی عابد کے ساتھ ہم لوگ وہاں سے ہوٹل پر پہنچے؛ چوں کہ ہم کو جمعہ کے دن بھی وہیں تاشقند میں قیام کرنا تھا اور جمعہ کے دن وہاں سے یورپ کے لیے ہماری روانگی تھی۔

تاشقند کی شبِ جمعہ

حضرت مولانا ابراہیم صاحب دامت برکاتہم کے قافلے کو ایئر پورٹ کی طرف الوداع کر کے ہم مغرب کی نماز ایک مسجد میں پڑھ کر ہوٹل میں اپنے کمرہ میں پہنچ گئے، ہوٹل کے قریب کوئی مسجد نہ ہونے کی وجہ سے عشا کی نماز با جماعت ہوٹل ہی میں ادا کی اور آرام کیا۔

سنت قرأت کا اہتمام

ہمارے حضرت کومسنون قرأت کا بڑا اہتمام رہتا ہے؛اس لیے آپ کی چاہت یہ ہوتی ہے کہ جمعہ کے دن کی فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر پڑھی جائے ،ائمۂ مساجداوراہلِ مدارس کوبھی اس کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ سنت قرأت کا اہتمام کرو، ماشاءاللہ! تاشقند کی اس ہوٹل میں جہاں ہم مقیم تھے وہاں پورا اطمینان تھا اور برطانیہ کا سفربھی جمعہ کی نماز کے بعد تھا؛اس لیے جمعہ کی فجر میں جب باجماعت نماز پڑھی گئی تو اس میں مسنون قرأت کا اہتمام ہوا، الحمدلله على ذلك۔

ہاں!جب دورانِ سفرنماز کا موقع ہواورسفر کی ہماہمی کا ماحول ہواس وقت مختصرقرأت پر اکتفا کرنا چاہیے۔

تاشقند میں جمعہ کی صبح

فجر کے بعد آرام، ناشتہ،غسل وغیرہ سے فارغ ہوکرسامان کے ساتھ ہوٹل سے نکلے؛چوں کہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکرسیدھا ایئر پورٹ پہنچنا تھا،راستے میں ایک جگہ پھلوں کی بڑی منڈی تھی،اس پھلوں کی مارکیٹ کے دروازے کے پاس گاڑی رکوادی گئی،حضرت گاڑی میں بیٹھے ہوئے اپنے اذکار واوراد،تلاوت اورمعمولات میں مشغول تھے، بھائی عبدالرحمٰن، بھائی عابد اور بندے کو اس پھلوں کی منڈی میں لے گئے، وہاں تازہ پھل اور خشک میوؤں کے انبار لگے ہوئے تھے،پھلوں کی سائز،

رنگ اور تازگی کو دیکھ کر بار بار زبان سے بے اختیار ”سبحان الله، الحمد لله“ نکل رہا تھا کہ جب دنیا میں اس قدر عجیب وغریب پھل پیدا کیے گئے ہیں تو جنت کے پھل اور میوے کیسے ہوں گے!!

تازہ آلو بخارا کی سائز ہمارے یہاں کے متوسط سائز کے پپیتے کے برابر ہوتی تھی، اس میں سے بعض پھل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجوبہ حضرت دامت برکاتہم کو دکھانے کے لیے گاڑی میں ساتھ لے آئے اور کچھ خشک میوے بھی ساتھ میں خرید لیے، فتبارك الله أحسن الخالقين!

تاشقند کا نرالا جمعہ

ہم جمعہ کے دن تاشقند میں رہے اور وہاں ایک مسجد میں ہم نے جمعہ کی نماز ادا کی، وہ جمعہ بھی زندگی کا یادگار جمعہ تھا، سات منٹ میں امام صاحب نے خطبہ اور نماز سب پڑھا دیا، دونوں خطبے بھی ہوگئے اور نماز بھی ہوگئی، امام صاحب نے پہلی رکعت میں ” اذا جاء نصر الله والفتح“ پڑھی اور دوسری رکعت میں ”قل أعوذ برب الناس“ پڑھی اور سات منٹ میں نماز اور خطبہ سب ہوگیا۔

مجمع وہاں کثیر تھا، ماشاء اللہ! جمعہ کے حاضرین میں سے تقریباً تمام ہی لوگوں نے جمعہ سے قبل اور بعد کی سنتوں کا اہتمام کیا، سنتوں کا یہ اہتمام بڑی اچھی بات تھی جو ہمارے یہاں مفقود ہے۔

جمعہ کی نماز کے بعد بھائی عبدالرحمٰن صاحب نے اپنی ذاتی گاڑی سے ہمیں ائیرپورٹ تک پہنچایا، وہاں سے ہم برطانیہ کے لیے روانہ ہوگئے۔

کچھ خاص خاص باتیں

حج اور داڑھی

نوجوانوں کو آج تک وہاں قانونی طور پر حج کی اجازت نہیں ہے، داڑھی رکھنے کی بھی اجازت نہیں ہے، بڑھاپے میں ان کو حج اور داڑھی کی اجازت ملتی ہے؛ اس لیے وہاں صرف بوڑھے لوگ داڑھی والے نظر آتے ہیں۔

امام بخاریؒ کی نسبت سے حاجیوں کو فائدہ

ابھی حرمین شریفین میں جو توسیعات کے کام چل رہے ہیں، اس کے پیشِ نظر سعودی حکومت نے مختلف ملکوں سے آنے والے حجاج کی تعداد میں کمی کی ہے؛ لیکن اس ملک کی تعداد میں کمی نہیں کی اور ساتھ میں یہ جملہ بھی کہا گیا کہ: حضرت امام بخاریؒ کی نسبت سے اس ملک کی حج کی ویزا کی مقدار وہی جاری رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی نسبت بڑی اونچی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی قدر اور لاج رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

عورتوں کے لباس کا حال

عورتوں کے لباس بہت عجیب وغریب ہے۔ ہم اس ملک میں جا کر عورتوں کا لباس دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم کسی مسلمانوں کے ملک میں آئے ہیں، لگتا ایسا ہے کہ یورپ کے کسی شہر میں گھوم رہے ہیں۔

عورتوں کے ظاہری لباس کی تین حالتیں اور ایمانی غیرت

بتایا گیا کہ: جب اسلام اس ملک میں آیا تو پہلے برقع عام تھا، پھر وہ برقع ختم ہوا اور ڈھیلے ڈھالے عورتوں کے لباس آئے، پھر ایک دور آج کا دور آیا کہ بالکل ناقص، ادھورے اور باریک کپڑے، ہماری مسلمان بہن کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ کوئی مسلمان لڑکی راستے پر جا رہی ہے یا کوئی اور عورت۔

البتہ! عورتوں میں ایک بات یہ دیکھی کہ جب وہ ڈاڑھی والوں کو دیکھتی ہیں تو سلام بھی کرتی ہیں، کپڑے بھی سمیٹ لیتی ہیں اور اکراماً ایک طرف کو کھڑی ہو جاتی ہیں، یہ ایمانی غیرت کی علامت ہے۔ بس دعا اور دعوت کی محنت کے ذریعہ ان میں دین کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

قبروں پر تصویر اور گھوڑے کے بال اور پنجے کا نشان

مزارات اور قبرستانوں میں ایک نئی چیز دیکھی جو اس سے پہلے کسی جگہ دیکھنے نہیں ملی کہ جس آدمی کو قبر میں دفن کیا گیا ہے اس کی تصویر (Photo) بھی اس قبر پر لگائی جاتی ہے۔

بعض بعض قبروں پر گھوڑے کی دم کے بال بھی لٹکے رہتے ہیں۔ پوچھنے پر بتلایا گیا کہ: یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ کسی مرد کی قبر ہے۔

بعض قبروں پر ''پنجے'' کے نشانات بھی بنے ہوئے ہیں اور یہ اسلام کے ''ارکان خمسہ'' کی طرف اشارہ ہے کہ صاحبِ قبر اسلام کے پانچوں بنیادی ارکان:

توحید، نماز، روزہ، زکوۃ، حج کے پابند تھے اور یہ کامل اور مکمل مسلمان تھے۔

کھانے میں سادگی

ازبکستان کے مسلمانوں کے کھانے میں ہم نے بہت سادگی دیکھی۔ البتہ روٹیاں وہاں بہت ڈیزائن والی ہوتی ہیں اور سلاد کے ساتھ، پھل کے ساتھ بھی روٹی کھائی جاتی ہے، سیدھا سادہ ان کا کھانا ہے۔

امانت داری

اس ملک میں اللہ تعالیٰ نے امانت داری کی عجیب صفت رکھی ہے، امانت داری کی بات یہ کہ لاکھوں سوموکا وہ معاملہ کرتے ہیں؛ لیکن وہ گننے کو معیوب سمجھتے ہیں، لوگ نوٹوں کے بنڈل حوالے کردیتے ہیں؛ لیکن کوئی اس کو گننے کی پروا نہیں کرتا۔ مقامی آدمی نے بتایا کہ: یہاں گننا عیب ہے، یہاں ایک نوٹ بھی آپ کو کم نہیں ملے گا، امانت داری یہاں عام ہے۔

پھل اور پانی

اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے پھلوں کی عجیب نعمتوں سے نوازا ہے، پانی بھی بہت عجیب، جتنا کھاؤ، ہضم ہوجاتا ہے۔ ہم لوگ ناشتہ کرتے ہوئے یہ نیت کرتے کہ زیادہ کھالو پورا دن ہم کو چلنا ہے، دوپہر کو کھانے کی ضرورت نہ پڑے؛ لیکن دو چار گھنٹوں کے بعد ہر ساتھی کچھ نہ کچھ کھانے کی طلب ظاہر کرتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس ملک میں بہت عجیب ہاضم پانی، ہاضم آب وہوا ہم نے پائی۔

یہاں سوڈا واٹر پینے کا بھی عام رواج ہے، کھانے کے موقع پر عام طور پر سوڈا واٹر کی بوتلیں ضرور پیش کی جاتی ہیں۔ بتایا گیا کہ: اس ملک میں بعض جگہوں پر قدرتی طور پر زمین سے ہی ایسا سوڈے کی طرح کا پانی بڑی مقدار میں نکلتا ہے، جس کو بوتلوں میں بھر کر بیچا جاتا ہے، یہ چیز ساؤتھ افریقہ کے سفر میں ہمارے ڈابھیل سملک کے مشہور خاندان ''میاں'' لوگوں کے مشہور ''میاں فارم'' میں ہے کہ وہاں بھی قدرتی پانی اس طرح کا برآمد ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ اس کا تذکرہ افریقی ملکوں کے اسفار میں ہوگا۔

اس ملک میں جو پھل دیکھے دنیا میں ایسے پھل فروٹ بہت کم جگہوں پر نظر آئے، انارا تنے بڑے بڑے اور رس سے بھرے ہوئے، دباؤ تو نچڑ کر تمھارا گلاس بھر جائے۔

ہمارے یہاں جو سیب ہوتا ہے اس سے بھی بڑے بڑے آڑو۔

انگور ہمارے یہاں کے جامن سے بھی بڑے۔

اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو پھلوں کی کثرت سے نوازا ہے، ڈرائی فروٹ بھی بہت زیادہ، ماشاء اللہ! اس ملک کے لیے اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب نعمت ہے۔

دعا کا اہتمام

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کشمیری مدظلہ نے ہمارے حضرت دامت برکاتہم کو اور ہم سب حضرات کو سنا کر ایک بات کہی کہ: حضرت! آپ اس ملک میں دعا کے لیے تشریف لائے ہیں۔

مولانا رحمت اللہ صاحب بار بار ہمارے حضرت دامت برکاتہم کو یہ کہہ رہے تھے کہ ”آپ تو اس ملک کے مسلمانوں کو دعا دینے کے لیے تشریف لائے ہیں“ اس ملک کے مسلمانوں کے لیے آپ کی دعا ہو جائے، اللہ تعالیٰ کل اس ملک کو پھر سے ایمان، اسلام کی حقیقی دولت سے مالا مال فرما دیں گے، پھر سے اللہ تعالیٰ وہ دن دکھائیں گے کہ اس ملک میں امام بخاریؒ اور ابواللیث سمرقندیؒ پیدا ہوں گے، قاضی خانؒ اور علامہ برہان الدین مرغینانیؒ پیدا ہوں گے اور ان سب کی بنیاد میں آپ کی دعائے بابرکت کا پانی ہوگا؛ اس لیے آپ ان کے لیے دعائیں کر کے جائیں۔

فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی برکت کا ایک واقعہ

پھر ہمارے حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک واقعہ انھوں نے سنایا کہ: جب حضرتؒ کا کشمیر کا دورہ ہوا تو جن جن بستیوں میں حضرت کو لے گیا، ان تمام بستیوں سے اللہ تعالیٰ نے شرک، بدعات، رسومات، نصرانیت کو ختم فرما دیا اور الحمدللہ! وہاں دینی ماحول قائم ہو گیا۔

حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ

ایسی ہی برکت کا واقعہ ہمارے یہاں بھروچ ضلع کے متعلق ہوا، جب شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا سفر ہوا تو حضرت بھروچ ضلع کی جن جن بستیوں میں تشریف لے گئے، وہاں سے بدعات و رسومات کا خاتمہ ہو گیا اور دیہات دیہات میں سینکڑوں علما اور حفاظ تیار ہو گئے اور جا بجا مدارس و مکاتب قائم ہو گئے۔

اللہ والوں کے قدم کی برکت

یہ اللہ والوں کے قدموں کی برکت ہے، کسی نے سچ بات کہی ''جب کسی علاقے میں کوئی سرکاری وزیر جاتا ہے تو وہاں راستے ٹھیک ہوجاتے ہیں اور جب کسی علاقے میں کسی اللہ والے کا گزر ہوتا ہے تو راستے پر چلنے والے ٹھیک ہوجاتے ہیں''۔ کسی جگہ کوئی دنیوی بادشاہ پہنچتا ہے تو لوگ ظاہری حالات بدلنے کی امیدیں قائم کرتے ہیں؛ لیکن جہاں روحانیت کے بادشاہ اللہ تعالیٰ کے اولیا جاتے ہیں وہاں دلوں کی دنیا بدل جاتی ہے۔

حالات کا خلاصہ

واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سفر بڑا ہی پر عبرت رہا کہ یا اللہ! جس ملک سے پورے عالم کو علوم نصیب ہوئے:

آج وہ ملک کلمہ کلمہ کے لیے ترس رہا ہے۔
قرآنِ مجید کی تعلیم کے لیے تڑپ رہا ہے۔
نہ وہاں کوئی مکتب ہے۔
نہ وہاں کوئی مدرسہ ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ: یہ مسلمانوں اور وہ بھی ''حنفی سنی'' مسلمانوں کا ملک ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ بہت دعاؤں کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ وہاں ایسی حکومت قائم فرمادے یا اہلِ حکومت کو یہ توفیق عطا فرمادے کہ دینی تعلیم کے سلسلے میں پابندیاں

ختم ہو جائیں، پھر سے وہاں مکاتب، مساجد، مدارس آباد ہو جائیں اور وہاں سے پورے عالم کو علم و ہدایت کی روشنی نصیب ہو، اللہ تعالیٰ وہ دن بہت جلدی دکھائے، اس کی دعائیں ہم کریں۔

نعمت پر شکر

ان سب سے ہم مسلمانانِ ہند عبرت حاصل کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس ملک کو جو نعمتیں عطا فرمائیں کہ جا بجا مدارس، مساجد، علما، اللہ تعالیٰ کے نیک بندے، خانقاہ اور دعوت و تبلیغ کی محنت۔ واللہ! یہ سب اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، ہم ان نعمتوں کی شکر گذاری کریں:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَ زِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ. (ابراھیم:۷)

ترجمہ: اگر تم واقعی میرا شکر کروگے تو میں تم کو زیادہ نعمت دوں گا اور اگر تم نے (میری نعمت پر) ناشکری کی تو اچھی طرح سمجھ لینا کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کبھی ایسے برے دن ہمارے ملک میں نہ دکھائیں؛ بلکہ پورے عالم میں بھی کسی مسلمان کو نہ دکھائیں۔

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ. (آل عمران: ۱۴۰)

ترجمہ: اور یہ دن (اوقات) ہیں جو ہم لوگوں کے درمیان میں باری باری بدلتے رہتے ہیں۔

دن اور حالات کو پلٹنے میں دیر نہیں لگتی۔ اللہ تعالیٰ ہماری نسلوں کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور مساجد، مدارس، مراکز، خانقاہ، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے

محبت اوران کی مجلس کی بہار- جو ہم ہمارے ملک میں دیکھ رہے ہیں-اللہ تعالیٰ اس بہارکو باقی رکھے،نظرِ بد سے بچائے ،برے انقلاب سے بچائے اور اللہ تعالیٰ ان روحانی،علمی،دینی نعمتوں کی صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے،آمین۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اپنی دعاؤں میں ازبکستان اور روس سے آزاد ہونے والے مسلمانوں کا بھی کچھ حصہ لگا لیجیے کہ اللہ تعالیٰ ایمان واسلام کی بہارکو قائم کرنے کی کوئی شکل پیدا فرمادے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

حضرت دامت برکاتہم کا خطاب

ابھی آپ ساری تفصیلات سن چکے، واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے لیے بڑی عبرت کا مقام ہے اور ہم اپنے یہاں جس ماحول کو دیکھ رہے ہیں وہ ہمارے اکابرین اور بزرگوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے، ہم اس کی قدر کریں؛ اس لیے اس کو باقی رکھنے کے لیے جس نوع کی محنتیں کرنی پڑے ہم اس میں کمی اور دریغ نہ کریں اور اس کو باقی رکھنے کے لیے جتنی بھی قربانیاں دینے کی ضرورت پڑے ہم قربانیاں دیں۔

ورنہ آپ نے حالات سنے کہ ساری دنیا کو علمِ حدیث کی ایسی کتابیں جہاں سے ملیں وہاں اس کو کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو موقع دیا ہے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں، جو صلاحتیں اور قویٰ دیے ہیں ہم اس کو دینی، ملی اور اسلام کی حفاظت واشاعت کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ لگائیں، اسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوازا جاتا ہے۔

بہرحال! یہ ساری باتیں آپ کے سامنے آچکی۔ آپ کو عزیز محترم مفتی محمود صاحب سلمہ نے جس واقعے کے متعلق کہا ہے، وہ واقعہ ''حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ'' کا ہے، وہاں بھی میں نے زبانی سنایا تھا۔

حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ میں پڑھا تھا کہ ایک آدمی حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی خدمت میں زیارت وملاقات کی نیت سے حاضر ہوا، یہ سمجھ کر کہ یہ بڑے اللہ والے ہیں؛ لیکن چوں کہ حضرت خواجہ صاحب بڑے مال دار تھے، وہاں انھوں نے مال کی ریل پیل اور شاہانہ ٹھاٹھ دیکھ کر کہا:

نہ مردست آں کہ دنیا دوست دارد

یعنی اللہ والا وہ نہیں جو دنیا کو دوست رکھتا ہو۔

اور اپنا ارادہ ملتوی کر کے واپسی کا ارادہ کرلیا؛ لیکن نماز کا چوں کہ وقت ہو گیا تھا؛ اس لیے ٹھہر گئے اور وہ ہما شما کی طرح کے لوگ نہیں تھے، تھوڑی دیر وہاں لیٹ گئے، نیند آ گئی تو خواب میں خواجہ عبید اللہ احرارؒ کو دیکھا اور خواب میں خواجہ صاحبؒ نے کہا: بھائی! تم کیا کہہ رہے تھے؟ بولو! تو انھوں نے وہی جملہ دہرایا:

نہ مردست آں کہ دنیا دوست دارد

تو اس پر خواجہ صاحبؒ نے دوسرا مصرعہ کہا:

اگر دارد برائے دوست می دارد

اگر دنیا کو دوست رکھتا بھی ہے تو دوست (حقیقی دوست اللہ تعالیٰ) کے خاطر رکھتا ہے۔

جب بیدار ہوئے اور حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہی واقعہ بیداری میں پیش آیا۔

بہر حال! ہمارے اکابر نے ہم کو نیت کی درستگی کا جو سبق سکھایا ہے، وہ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔

امام بخاریؒ کو جب امام دارمیؒ کی وفات کی اطلاع ہوئی-۲۵۴ھ یا ۲۵۵ھ میں امام دارمیؒ کی وفات ہوئی اور امام بخاریؒ ۲۵۶ھ میں انتقال فرما گئے-تو انھوں نے ایک شعر کہا تھا:

وفـنــاء نـفسك لاابــالك افـجـع	ان تبـق تـفـجـع بــالأحبة كـلهـا

گویا امام بخاریؒ اپنے آپ کو مخاطب ہو کر یوں فرمارہے تھے کہ: تو زیادہ زندہ رہا تو تجھے تمام دوستوں کی جدائی کا غم اٹھانا پڑے گا، جو آدمی طویل عمر پاتا ہے تو اس کو ان چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے، مجھے یاد آ گیا کہ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا دامت برکاتہم - جو ہمارے بزرگ ہیں - تو ان کے سامنے ان کے لڑکوں، لڑکیوں کا انتقال ہوا تو ایک مرتبہ فرمایا جو لمبی عمر پائے گا اس کو یہ سب تو بھگتنا ہی ہے، تو بہر حال:

ان تبـق تـفـجـع بــالأحبة كـلهـا

وفـنــاء نـفسك لاابــالك افـجـع

مشکوۃ شریف پڑھانے کے زمانے میں امام دارمیؒ کا تذکرہ پڑھا تھا، اس وقت سے یہ شعر ذہن میں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ موت بڑی دردناک ہے؛ اس لیے ہر آدمی کو موت کی تیاری کرنی چاہیے۔

بہر حال! یہ تمام واقعات اور احوال ہمارے لیے بڑی عبرت کا موقع ہے، ابھی میں دو چار دن پہلے حدیث کے سبق کے لیے سورت گیا وہاں مولانا احمد صاحب لاٹ دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی تو مولانا کے سامنے اس سفر کا مختصر تذکرہ ہوا تو مولانا نے بھی فرمایا کے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک ہندوستان کو بڑی نعمتوں سے نوازا ہے اور جو لوگ پوری دنیا کا سفر کرتے ہیں اور حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو وہ لوگ پورے شرح صدر کے ساتھ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس ملک میں دین کی نسبت سے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، وہ دنیا میں کہیں بھی حاصل نہیں۔

یہ اللہ تعالی کا فضل وکرم ہے، اس کی ہمیں قدر کرنی چاہیے اور اس کو بڑھانے کے لیے ہمیں اپنی کوششوں اور محنتوں کو بڑھانا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے، آمین۔

مؤلف کی دیگر مساعیٔ جمیلہ

نمبر شمار	اسمائے کتب	لغت
۱	عرفات کی دعائیں اور اعمال	گجراتی
۲	ظہورِ مہدی	اردو، گجراتی، ہندی، انگریزی
۳	ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے ضروری مسنون دعائیں	گجراتی
۴	خاص خاص فضیلتوں والی مسنون دعائیں	اردو، گجراتی، ہندی، انگریزی
۵	مختصر سیرتِ نبوی ﷺ پہلا حصہ (اسٹوڈنٹس کے لیے)	گجراتی
۶	ہندستان کی جنگ آزادی اور جمعیتِ علمائے ہند (زیرِ طبع)	گجراتی
۷	احمدیہ قادیانی جماعت کا تعارف	گجراتی
۸	ترتیبِ مبادیاتِ حدیث	اردو
۹	ماہِ رمضان کو وصول کرنے کا جامع مختصر نسخہ	گجراتی
۱۰	عید الاضحیٰ مسائل وفضائل (پمفلٹ)	گجراتی
۱۱	مرزا غلام احمد قادیانی کی شخصیت کا تعارف	گجراتی
۱۲	مرزا غلام احمد قادیانی کے متضاد دعوے	گجراتی
۱۳	قادیانی غیر مسلم (دیوبندی، بریلوی، غیر مقلد اور جماعتِ اسلامی کے علما کے فتاوی)	گجراتی

۱۴	ختمِ نبوت، قرآن وحدیث کی روشنی میں	گجراتی
۱۵	دیکھی ہوئی دنیا	اردو
۱۶	خطباتِ محمود (اول تا ششم)	اردو
۱۷	دینی بیانات	گجراتی
۱۸	مسنون وظائف	اردو، گجراتی
۱۹	منتخب مسنون دعائیں	اردو
۲۰	بیعت	اردو، گجراتی
۲۱	آسان حج	گجراتی
۲۲	اسلام کا امن اور شانتی کا پیغام	گجراتی، ہندی
۲۳	حج کے پانچ ایام	گجراتی
۲۴	ممبئی سے مکہ مکرمہ	گجراتی
۲۵	زیارت مدینہ منورہ	گجراتی
۲۶	مختصر عرفات کے اعمال اور دعائیں	اردو
۲۷	مکتب کے بچوں کے لیے منتخب مسنون دعائیں	اردو، گجراتی، ہندی
۲۸	تذکرۂ قاریان بارڈولی	اردو
۲۹	حضرت شیخ الہندؒ اور ریشمی رومال	گجراتی
۳۰	مسلمانوں کا خزانہ	گجراتی

”نورانی مکاتب“ کے مقاصد

(۱) چھوٹے چھوٹے دیہات جہاں مسلمانوں کے چند ہی مکانات ہوں اور نماز تعلیم کا کوئی نظم نہ ہو، وہاں نماز اور تعلیم کا نظم کرنا۔

(۲) شہروں کی کالونیوں اور جھونپڑوں میں بسنے والے غریب مسلمانوں اور ان کی اولاد میں دینی تعلیم اور نماز کی فکر کرنا۔

(۳) مرتد یا مرتد جیسے دین سے دور مسلمانوں میں دین اور ایمان بچانے کی فکر کرنا۔

(۴) جہاں کہیں بھی مکتب مسجد یا عبادت خانہ نہیں ہے، وہاں اُس کے قیام کی فکر کرنا۔

(۵) پہلے سے جاری مکاتب میں تعلیم اور تربیت کی ترقی کے لیے کوشش کرنا۔

(۶) مکتب کے معلمین کی تربیت کے لیے قیام وطعام کا نظم کرنا۔

(۷) انوکھا، آسان عام فہم، قابلِ دید وقابلِ ترویج طریقۂ تعلیم وتربیت کو امت کی خدمت میں پیش کرنا۔

(۸) یتامیٰ، بیوگان کی خدمات اور غریب علما اور مسلمانوں کی طبی خدمات اور غریب لڑکے لڑکیوں کی شادی میں معاونت۔

(۹) شعبۂ نشر واشاعت کے ماتحت اردو، ہندی، گجراتی، انگریزی زبانوں میں چھوٹی بڑی کتابیں، رسائل اور پمفلٹ شائع کروانا۔

(۱۰) انٹرنیٹ اور سی ڈی کے ذریعے عالَم میں بسنے والے مسلمانوں کی دینی

خدمات انجام دینا۔

اِس وقت اکابر کے مشورہ سے پورے گجرات میں یہ خدمات کا سلسلہ جاری ہے، آپ بھی اِس مبارک سلسلے میں شامل ہوسکتے ہیں۔ مزید تفاصیل ہماری ویب سائٹ(www.nooranimakatid.com)پر ملاحظہ فرمائیں۔

اہم اطلاع

(۱)اس کتاب کو اور مؤلف کی دیگر علمی قلمی کاوشوں کو انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

(۲)صاحبِ کتاب کے بیانات بزبان اردو انٹرنیٹ پر بھی سن سکتے ہیں۔

(۳)سورت شہر میں تقریباً ۸ سال سے جاری ہر پیر کو ہونے والی تفسیر کی مجلس بھی c.d. کی شکل میں محفوظ ہے نیز انٹرنیٹ سے بھی آپ حاصل کر سکتے ہیں۔

(۴)مؤلف کے ملک اور بیرونِ ملک کے تقریباً ۳۰۰ سے زائد بیانات c.d. کی شکل میں محفوظ ہے نیز انٹرنیٹ سے بھی آپ حاصل کر سکتے ہیں۔

(۵)ہر پیر کو بعد نمازِ عشاء سورت شہر میں ہونے والی تفسیر کی مجلس کو انٹرنیٹ پر Live سن سکتے ہیں۔

(۶)انٹرنیٹ پر: بخارا، مسجد اقصی، ترکی، اسپین، طائف وغیرہ اسفار کی کارگزاری اور دیگر علمی بیانات اور سورت میں ہونے والی ہر پیر کی قرآن مجید کی تفسیر کی مجلس اور جلالین شریف کا درس اور مکاتب میں تعلیم کا انوکھا آسان سہل طریقہ یہ سب چیزیں دیکھنے اور سننے کے لیے حسب ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

WWW.NOORANIMAKATIB.COM

اس ویب سائٹ پر بہت ساری کتابیں مفت میں ڈاؤن لوڈ بھی کرنے کی سہولت ہے۔

اسپین کے سفر سے واپسی پر علامہ اقبالؒ کے تأثرات

شاعر مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان مکتبوں کو اسی حال میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ مُلّا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

(ماہنامہ دار العلوم دیوبند دسمبر ۹۴ بحوالہ دینی مدارس، ماضی، حال، مستقبل ص: ۶۹ از مولانا ابن الحسن عباسی)

اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو مکاتب مدارس کی اہمیت سمجھنے کی اور اس سے وابستگی کی توفیق عطاء فرمائے۔ (۱) مدارس، مکاتب (۲) علماء، صلحاء اور خانقاہ (۳) دعوت و تبلیغ۔ یہ تینوں مبارک سلسلے انشاء اللہ قائم دائم رہیں گے، اور مسلمان اس سے مربوط رہیں گے اور صبح قیامت تک انشاء اللہ ہمارے ملک میں اسلام اور اہل اسلام ترقیات کے ساتھ زندہ و تابندہ رہیں گے۔

نوٹ: اقبال مرحوم کے سفر کا طویل زمانہ گزر گیا، اس سفر نامہ کے مرتب کو ابھی ماضی قریب میں اپنے مشفق و مرشد اور محسن استاذی حضرت شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں اسپین، ترکی، ارض مقدس اور دیگر مقامات کے جو دینی اسفار کی سعادت حاصل ہوئی، اس کی تازہ ترین کارگزاری کی ترتیب کا کام جاری ہے، انشاء اللہ بہت جلد منظر عام پر آجائے گی، اس کے لئے دعاء اور خصوصی توجہ فرمائیں۔